

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شہزادہ تعمیر حیات

ISSN 2582-4619

۲۵ فروری ۲۰۲۳ء مطابق ۲۷ ربیعہ المظہم ۱۴۲۲ھ شمارہ نمبر ۸

اس شمارے میں

۳	شعر و ادب	تو فیض دے خدا تو نیت بھی.....	حضرت جگر ادا بادی
۵	اداریہ	شہزادہ ندوی	شہزادہ ندوی
۶	فکر و نظر	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی
۱۲	انسانیت کا تقاضا	حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی	حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی
۱۳	دراد عمل	مولانا ذاکر سعید الرحمن عظی ندوی	فکر و نظر
۱۷	تعلیم و تربیت	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	فیض دین کا عہد کیجیے!
۲۰	جدید تعلیم کا بگاڑ	مولانا بلال عبدالحی حسینی ندوی	بصیرت افروز
۲۱	ارشاد و تذکیر	مولانا محمد خالد غازی پیپوری ندوی	نہشان داہ
۲۲	اعمال کی قویلیت میں نیت	ڈاکٹر حسن عثمانی ندوی	شہزادہ ندوی
۲۳	محبت الہی	مولانا سراج الدین ندوی	انسانیت کا تقاضا
۲۶	رسید کتب	محمد اصفاء الحسن ندوی	انسانیت کا تقاضا
۲۷	اسوہ حسنہ	عبدالحی حسینی ندوی	انسانیت کی باتیں
۲۹	بحث و نظر	سیرت نبوی اور اخلاق حسنة	انسانیت کی باتیں
۳۳	فقہ و فتاوی	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	انسانیت کی باتیں
	سوال و جواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	انسانیت کی باتیں

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد راجح حسینی ندوی

(ناشر ندوہ احمد لکھنؤ)

مدیر مسئول	نائب مدیر
محمد سعید الصدوق دریابادی ندوی	شہزادہ ندوی
معاون مدیر	محمد حبادیہ اخترندوی
محل اصطفاء الحسن کا ڈھلوی ندوی	مولانا عبد العزیز بخشناکی ندوی
مولانا عبدالعزیز بخشناکی ندوی	مولانا محمد الدنائزی پوری ندوی

قارئین مترحم! تعمیر حیات کا سالانہ رتیغہ ایڈیشن ۲۰۲۳ء میں دیے گئے کاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براء کرم فرج مجع جو جانے کے بعد فقر کے فون نمبر ۰۱۷۱ پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیں۔

تریکل زر اور خط و کتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tatogore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : <http://tameerehayat.com> - email : tameer1963@gmail.com

مضبوط نگار کی راستے سے ادارہ کا متفق ہوتا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ رتیغہ - 400/- فی ماہ ۰۲۰/- الشیخی، یورپی، افریقی، امریکی ماہیں کے لئے - 75\$

ڈاٹ فیچر حیات کے نام سے ہائی اور میڈیم حیات مددوں اکٹھنے کے پروگرام کے پروگرامیں۔ جیکے سے کمی ہانتے والی قرض

All وارثہ ماہیں، پورٹ میں ۳۰/۳۰ جزو کیجیے دیں۔ براء کرم اس کا خالی رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے یخچاک مرکز کی ہے۔ تکمیل کا آپ کا راقعہ ختم ہو چکا ہے، لہذا جلدی رتیغہ ایڈیشن اسالا کریں۔

ادرمنی آڈریوین پارٹنائری بیورٹر لکھنؤ میں، بولیاں یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کو دیں۔ (فیچر حیات)

پرمنیر پبلیشور محمد طااطہر نے آزاد پرنگ پر لیں، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صفات نشریات نیگر مارک، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

تو فیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں

حضرت جگر مراد آبادی

هم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
هم سے زمانہ خود ہے، زمانے سے ہم نہیں
بے فائدہ الہم نہیں، بے کار غم نہیں
تو فیق دے خدا تو یہ نعمت بھی کم نہیں
میری زبان پہ شکوہ اہل ستم نہیں
مجھ کو جگا دیا یہی احسان کم نہیں
یا رب ہجوم درد کو دے اور وسعتیں
دامن تو کیا ابھی مری آنکھیں بھی نم نہیں
شکوہ تو ایک چھیڑ ہے لیکن حقیقتاً
تیرا ستم بھی تیری عنایت سے کم نہیں
اب عشق اس مقام پہ ہے جستجو نور د
سایہ نہیں جہاں، کوئی نقش قدم نہیں
ملتا ہے کیوں مزہ ستم روزگار میں
تیرا کرم بھی خود جو شریک ستم نہیں
مرگِ جگر پہ کیوں تری آنکھیں ہیں اشک ریز
اک سانحہ سہی مگر اتنا اہم نہیں



شعبان المعظم کی قدر و فضیلت

شمس الحق ندوی

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی خیر و برکت کا مہینہ ہے، لہذا خیر و برکت کے اس مہینے سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اور جتنا ہو سکے نیک کاموں، ذکر و تلاوت اور خیر خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے، اس مہینے کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور عمل صاحب کو بارگاہ خداوندی میں پہنچایا جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”شعبان میرا مہینہ ہے، اس مہینے میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پہنچائے جاتے ہیں، اس مہینے میں جو بندہ بھی تین روزے رکھتا ہے اور افطار کے وقت تین مرتبہ مجھ پر درود بھیجتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، رزق میں برکت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی اذنیں میں سے ایک اونٹی پر سوار کرے گا اور جب تک وہ جنت میں نہ داخل ہو جائے اونٹی پر سے نہ اترے گا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا“۔ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے شعبان روزہ رکھتے تھے، یا شعبان کے چند دنوں کو چھوڑ کر باقی پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔“ [متفق علیہ]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً اس ماہ کی پندرہوں رات کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، خیر خیرات اور نوافل کے اہتمام کے ساتھ قبرستان بھی تشریف لے جاتے اور اہل قبور کے لیے دعا فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہویں رات کا تو اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ امام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بتا کر نماز پڑھنا شروع فرمایا، اس میں اتنا لباجدہ فرمایا کہ مجھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی موت کا خطvre معلوم ہوا، میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئی، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلوے پر ہاتھ رکھا، جب اس میں حرکت ہوئی تو اطمینان ہوا، اور بہت خوش ہوئی۔

خصوصاً شعبان کی پندرہویں رات کو نماز اور دن میں روزہ رکھنا مسنون ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اس رات آسمانی دنیا پر غروب آفتاب سے صح صادق تک تجلی فرماتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے: جو شخص اپنے گناہوں کو بخشنوا ناچاہے بخش دوں گا، جو روزی حاصل کرنا چاہے اس کو روزی دوں گا، اور جو کسی مصیبت میں ہو اس کی مصیبت دور کر دوں گا، لہذا اس رات میں نوافل پڑھنے اور توبہ و استغفار کا اہتمام کرنا چاہیے۔

یہ کتنے افسوس اور محرومی کی بات ہے کہ جس رات اللہ تعالیٰ کی نوازشات کی جھڑی لگی ہوئی ہے، بہت سے لوگ توبہ و استغفار، نوافل و خیر خیرات اور روزہ رکھنے کے بجائے پٹائے چھڑانے اور سیر و تفریح میں وقت گزار کر گناہوں کو بخشوائے، روزی بڑھانے اور مصیبت کو دور کرنے کے بجائے گناہوں کو بڑھانے اور اللہ تعالیٰ کے غصب کو بھڑکانے کا کام کرتے ہیں۔

اس مبارک مہینے کے گذرتے ہی رمضان المبارک کا وہ مہینہ شروع ہو جائے گا جس میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، اور جنم کے دروازے بند کر دیے جاتے، اور شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ ماہ مبارک کا چاند نکلا نہیں کہ مسجدیں بھر جاتی ہیں، بہت سے لوگ اور نوجوان جو کبھی مسجد میں نہیں دکھائی دیتے تھے وہ بڑے ادب کے ساتھ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں، اور روزہ و تراویح کا ایسا نورانی ما حوال شروع ہو جاتا ہے جس کو ایک عام آدمی محسوس کرتا ہے۔

شعبان المعظم کا مہینہ اسی مبارک مہینہ کی تیاری کرنے کے لیے آتا ہے، نہ کہ سیر و تفریح کے لیے، تعمیر حیات کا یہ شمارہ ہمارے قارئین کے ہاتھوں میں اس وقت پہنچ گا جب شہر رأت قریب ہوگی، گزارش ہے کہ اپنے حلقة احباب اور ملنے جلنے والوں کو حقائق سے آگاہ کریں، خرافات سے روکیں اور شعبان المعظم کی وہ قدر کریں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا اور کر کے دکھایا ہے۔



حضرت خنساء کا یہ امتیاز ہے کہ ساری عمر ان کی اپنے بھائیوں کا مرشیہ کہنے میں گزری، لیکن اس کا آپ مقابلہ کیجیے، اور میں اپنے ادنیٰ مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ ایسے مریئے شاید کسی بھی زبان میں نہیں ملیں گے، جیسے کہ عربی زبان میں یہ مریئے ہیں، اور وہ تاریخ ادب کا ایک اہم جزو اور عنصر ہے، لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ جب بیٹوں کا معاملہ آیا فرزندوں کا معاملہ آیا، جو ان کے جسم کے ٹکڑے تھے، آخری بات جو کہی جاسکتی ہے، وہ یہ کہ ان کے جسم کے ٹکڑے تھے، کہ ایک غزوہ کے موقع پر انہوں نے اپنے بھائیوں کی وفات پر ایسے دل دوز، جگر خراش مریئے کہے، کہ جن کا میں اپنی محدود واقفیت کی بنا پر جو صرف تین چار زبانوں سے ہے، اور ان میں بھی مراثت ہیں، یہ کہہ سکتا ہوں کہ دنیا کے لثر پچ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی، کہ فرزندوں کے مریئے، اور دل بندوں کے مریئے، جگر گوشوں کے مریئے، بادشاہوں کے مریئے تو بہت ہیں، لیکن بھائیوں کے، ایک ایک بھائی پر اس طرح رونا اور عمر بھر روتے رہنا، یہاں تک کہ یہ ان کا امتیاز بن گیا ہے کہ وہ مراثی کی بہت بڑی شاعر ہیں، جنہوں نے اپنی پوری قوت شاعری، ملکہ شاعری صرف کروی ہے اپنے بھائیوں کے مریئے میں، اس کی مثال نہیں مل سکتی۔

مادر علمی کی مثال
ایک مثال تو میں جسمانی اور طبعی اور فطری ماں کی دیتا ہوں، اور اسی کے ساتھ آپ مادر علمی یعنی مدارس دینیہ اور مرتبیان، سرپرستان علمی اور سرپرستان روحانی کے واقعات تاریخ میں دیکھیں گے، اور ہماری پوری تاریخ دعوت اس سے بھری ہوئی ہے، شروع سے لے کر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ماں کی شفقت رکھنے والے بلکہ بعض اوقات ماں کی شفقت سے زیادہ شفقت رکھنے والے

تحفظِ دین کا عہد کیجیے!

دارالعلوم ندوہ العلماء سے فارغ ہونے والے طلبہ کے سامنے ۲۵ ربیعہ ۱۴۹۳ء کو کی گئی ایک اہم تقریر

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

رفقائے کرام، برادران عزیز اور دارالعلوم کے رشتہ سے فرزندان عزیز! کسی نسبی، حقیقی اور طبعی ماں کے لیے، مادر مشفقة کے لیے، اور کسی فکری اور تربیتی اور اصلاحی و تعلیمی مادر مشفقة کے لیے یہ بات کوئی خخر کی اور خوشی کی نہیں ہے کہ وہ اپنے فرزندوں کو اپنے سینے سے لگائے رکھے، اپنی گود میں بٹھائے رکھے، اور اپنے گھر سے نکلنے نہ دے، کسی حیثیت سے بھی وہ ماں قابل مبارک بانیوں ہو گئی کہ جس نے اپنے بچے کو خون جگر سے پالا، (خواہ وہ مادر نسبی ہو، اور خواہ مادر علمی ہو) وہ اپنے بچوں کو اپنے سے جدا نہ ہونے دے۔

آج کا دن بھی ایسا ہے کہ اس مادر علمی کو اپنے فرزندوں کو الوداع کہنے، معنوی معنی میں الوداع کہنے کا موقع مل رہا ہے، اگرچہ وہ ان شاء اللہ ابھی کچھ دن رہیں گے اور اس کے بعد بھی ان کا تعلق اور ان کا رابطہ یہاں سے قائم رہے گا، جیسا کہ ان ادبی اور انشا پردازانہ مضامین سے، اور ندوہ العلماء کے سرپرستوں کے سلوب اور زبان میں جو اظہار خیال کیا گیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے۔

میں آپ کے سامنے دو ماں کی مثالیں رکھتا ہوں جنہوں نے اپنے فرزندوں کو جدا کیے، اور ان فرزندوں نے حق مادری نہیں، اور حق پدری نہیں، اور حق نسبی نہیں، بلکہ حق بندگی، حق وفاداری، حق شرافت اور حق ایمانی ادا کیا۔

حضرت خنساء کا واقعہ
ایک مثال جس پر بہت کم غور کیا گیا ہے، اس

ذریعے سے ملک کی سیاست و طاقت ان جماعتوں کے ہاتھ میں آ رہی ہے، اور ان افراد کے ہاتھ میں آ رہی ہے جو دوراً کبریٰ کا خواب دیکھ رہے ہیں، اور جن کے لیے دوراً کبریٰ کا خواب پورا کرنے کے زیادہ امکانات اور وسائل کو حاصل ہیں، مذہب کے رشتے سے بھی، اور ملک کے رشتے سے بھی، اور قدیم تاریخ کے حوالے سے بھی۔

وہ حضرت مجدد سرہندی ایک طرف ہیں، اور پوراً کبر کا دربار ایک طرف، اور اس میں بڑے مسلمان امراء بھی عبدالرحیم خان خانا، اور سید فرید اور یہ حضرات بھی ہیں، جو بڑے گھرانوں کے چشم و چراغ ہیں اور شریف ترین اور ذہین ترین انسان ہیں، اس وقت کوئی مقابل نہیں تھا۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی نے جو ہمارے ندوہ العلماء کے پابندیوں اور سرپستوں میں ہیں، انھوں نے حیدرآباد کی تقریر میں ایک بات کہی اور بڑائنا تھا، اور پھر اس کی تشریع مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے اپنے اس مضمون میں کی جو حضرت مجدد صاحب پر لکھا ہے اور ”الفرقان“ میں چھپا ہے، کہ لوگ تاریخ پڑھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اکبر کے بعد جہاں گیر آیا، اور جہاں گیر اکبر سے بہتر تھا، آپ کو معلوم ہے کہ ایک زنجیر عدل اس نے لٹکائی تھی، اور جب اس نے کاغذہ کا قلعہ فتح کیا تو وہاں سب سے پہلا کام جو کیا ہے، وہ یہ کہ مسجد بنانے کا حکم دیا، اور گئے کے ذبح کرنے کا حکم دیا، یہ بعد میں معلوم ہو گا کہ یہ بات کہاں سے آئی؟ تو اکبر کے بعد جہاں گیر آتا ہے جو اس سے بہتر ہے، اور جہاں گیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو تخت طاؤس پر بیٹھنے پر اتر جاتا ہے اور سجدہ کرتا ہے، اور دو رکعت نماز پڑھ کر کہتا ہے کہ فرعون بڑا سبک سر اور بہت اوچھا آدمی تھا کہ آپوں کے تخت پر بیٹھا

لوگ آگئے تھے، جنہوں نے اکبر کی اس امیت اور اکبر کی اس عزیمت سے پورا فائدہ اٹھایا۔

تاریخ کامطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ جب امیت اور عزیمت دونوں جمع ہو جائیں، تو یہ بڑی خطرناک بات ہوتی ہے، اس لیے کہ علم ہے جو جگہ جگہ عنان پکڑتا ہے اور روکتا ہے، اور یا پھر ضعف ارادہ ہے، ارادہ کی، عزم کی کمزوری ہے جو عنان گیر ہوتی ہے اور سد را ہوتی ہے، لیکن جہاں امیت، جہاں علمی اور عزیمت دونوں جمع ہو جائیں اور پھر اس کے ساتھ اس کو ایسے لوگ مل جائیں جو اس کو فکری غذا بھی پہنچاتے ہوں، اور جواز بھی مہیا کرتے ہوں، اس کے جو نتائج ہیں، وہ تصور سے بالاتر ہوتے ہیں، اور یہ نازک ترین گھڑی ہوتی ہے۔

ایک طرف اکبر اپنی ان طاقتوں کے ساتھ تھا، کہ اس کو اس وقت کے جو مابہ الامتیاز اور قابل فخر علوم سمجھے جاتے تھے، ان کے ماہرین یعنی فلسفہ و منطق کے ماہرین اور ادب اور شاعری کے ماہرین کی ایک جماعت مل گئی تھی، اور پھر یہاں کا جو بڑا من عصر تھا، اور یہاں کا ذہین عصر تھا، وہ بھی اس کے ساتھ تھا، بیرون اور دوسرے جو اس کے اراکین تھے، یہ سب ایک طرف تھا، اور ایک اللہ کا بنہ جس کا نام احمد بن عبد الواحد السرہندی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارش ہو اُن پر، اُن کی قبر مبارک پر، اُن کی روح مبارک پر، وہ تھے، انھوں نے اپنے فرزندوں کو، اور اپنے خلافاء کو تیار کیا اس فتنے کے مقابلے کے لیے۔

فتنه کیا تھا؟ یہ وہ فتنہ تھا جس کا سمجھنا اس وقت دوسرے زمانوں کے مقابلے میں بہت آسان ہو گیا ہے، اور یہ بات کوئی خوشی کی نہیں ہے، مسرت کی نہیں ہے، بڑی ہی غم اور فکر کی بات ہے کہ دور اکبری کا سمجھنا کسی اور زمانے میں اتنا آسان نہیں تھا جتنا اس زمانے میں، کہ جب اقتدار اور انتخاب کے

بزرگوں نے اپنے فرزندوں کو جدا کیا اور اس وصیت کے ساتھ جدا کیا کہ جو حدیث کے الفاظ ہیں: **أَسْتَوْدِعُ اللَّهَ دِيْنَكَ وَأَمَانَتَكَ وَحَوَّاً يَسِّمَ عَمَّلِكَ**، ان کو یہ وصیت کی کہ علم پھیلاو، دین کی حفاظت کرو، اور دین کے تقاضے جو ایک داعی کے لیے، اور دین کے ایک عالم و حامل کے لیے، اور ایک غیر مسلمان کے لیے اور ایک ایمان کی قدر و قیمت، اپنے ایمان کی بھی اور امت اسلامیہ کے ایمان کی بھی قدر و قیمت جانے والے کا جو فرضیہ ہے وہ ادا کرو، اس کی اتنی مثالیں ہیں کہ میں سب مثالیں نہیں دے سکتا، میں صرف دو مثالیں دوں گا، ہندوستان میں جن کو اس وقت کے حالات سے بہت زیادہ مطابقت ہے، اور میں ان کی مثالیں دے کر پھر بتاؤں گا کہ آج اس سعادت مندی کا، اس وفاداری کا، اور اس ایمان پروری کا، دین پروری کا، اور حمیت اسلامی کا تقاضا کیا ہے؟

حضرت مجدد الف ثانی
اور فتنہ اکبری کا مقابلہ ایک حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی مثال دوں گا، اس جلسے میں بھی برکت پیدا کرنے کے لیے اور قبولیت پیدا کرنے کے لیے، اور ان کا حق صحیح کر، کہ حضرت مجدد الف ثانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک اکیلی ذات تھی، پوراً اکبری دربار تھا اور اس کے وسائل تھے، اس کے ذخائر تھے، اس کے لشکر تھے، اور لشکر صرف فوجوں کے نہیں، سپاہیوں کے نہیں، بلکہ ذہین انسانوں کے لشکر تھے، اور میں اپنے تاریخی مطالعہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس عہد کے بعض ذہین ترین انسان اس کو میسر آگئے تھے، ملامبارک اور اس کے دونوں بیٹھ ابوالفضل اور فیضی، اور پھر اس کے بعد ایران سے کئی ذہین لوگ، عقری، چینیں قسم کے

ان کے تربیت یافتہ خلفاء اور سب سے بڑھ کر ان کے صاحب زادے حضرت خواجہ محمد معموم، ان کی روحا نیت، ان کا درود، ان کا سوز جگر، اور ان کی فکر اور دین سے ان کا عشق کام کر رہا تھا، کہ جواب آتا تھا وہ پہلے سے بہتر ہوتا تھا، یہ حضرت مجدد صاحب کا میں ایک حوالہ دیتا ہوں۔

جہاں تک اورنگ زیب کا تعلق ہے، تو خیر وہ حضرت خواجہ محمد معموم سرہندی سے بیعت تھے، انھوں نے خواجہ محمد معموم کو بلانا چاہا، تو وہ تو کہاں آتے، انھوں نے اپنے صاحب زادے خواجہ سیف الدین کو بھیج دیا، وہ قصر سلطنت میں رہے، وہاں پہلے جاتے ہی وہاں کے ان منکرات کو دور کیا جو پہلے سے چلے آ رہے تھے، اور پھر اپنے والد صاحب کو خدا کھا کر باشہ میں آثار ذکر ظاہر ہو چکے ہیں، اور خود حضرت خواجہ محمد معموم کے مکاتیب دیکھیے جو باشہ کو لکھے ہیں، تو اس میں وہ ان کو شہزادہ دیں پناہ لکھتے ہیں، جب وہ شہزادہ تھے، یہ ان کی فراست ایمانی اور ان کی روحا نیت ہے کہ اس وقت جب اس کا کوئی امکان نہیں تھا، وہ لکھتے ہیں شہزادہ دیں پناہ، وہ شہزادہ جو شان لکھی ہے سوانح نگاروں نے، اور میں اپنے والد صاحب کی کتاب کا حوالہ نہیں دوں گا، کہ بہر حال وہ عالم دین تھے، اور ان کے جذبات اور خاندانی اثرات تھے، لیکن منشی ذکاء اللہ صاحب اور پھر فاروقی صاحب کی کتاب جو انگریزی میں ہے، بہرائچ کے ایک وکیل تھے، سب سے بہتر کتاب ہے انگریزی میں، اور اس کے علاوہ ہمارے شمس تابح پانڈے صاحب، جو کل تک یہاں موجود تھے اور کل کے جلسے میں تھے، انھوں نے اپنی کتاب میں اورنگ زیب کا جو کیریکٹر دکھایا ہے، اس سب سے معلوم ہوتا ہے، یہ کیا بات ہے؟ یہ بالکل خرق عادت ہی ہے اس کا اتفاق پھر مجموع کیا جائے؟ یہ حضرت مجدد صاحب کا اثر ہے کہ وہ اور

تو نواب صدر یار جنگ نے کہا کہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ کیا فطرت انسانی کے تجربہ انسانی کے تاریخ انسانی کے نسیمات انسانی کے خلاف ہو رہا ہے کہ ایک غلط آدمی ہے، اور وہ پورے اپنے غلط ہونے کا سایہ پھیلاتا ہے، اور وہ بالکل ڈھاننا چاہتا ہے اس سانچے میں، لیکن اس کے برخلاف، ہتنا ہے کہ اس سے بہتر آدمی آتا ہے۔

اور اس نے خدائی کا دعویٰ کیا، لیکن میں امت محمدیہ کا فرد ہوں، میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں، تو جہاں گیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو اس سے کہیں بہتر ہے، اور شاہجہاں کے بعد پھر مجھی الدین اور نگ زیب آتا ہے جو کہ صحیح معنی میں مجھی الدین اور نگ زیب ہے، اور آپ تاریخ پڑھ سکتے ہیں۔

تو نواب صدر یار جنگ مرحوم نے فرمایا کہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ عام قaudہ یہ ہے کہ بد سے بدتر آتا ہے، اس لیے کہ وہ بد جو ہیں، اس کے اثرات ہوتے ہیں، اور پھر وہ جس حیثیت کا آدمی ہے، اور جو وسائل رکھتا ہے، اس کے مطابق اس کے اثرات پڑتے ہیں، تو اکبر اور اکبر کے اثرات کو، بلکہ اکبر کی چہا نگیری کو، اس کی فتوحات کو، اور اس کی شہر کشانی کو، اور لشکر کشی کو دیکھتے کہ اس وقت سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ کے بعد سب سے طاقتور سلطنت اس وقت اکبر کی سلطنت تھی، پورے ایشیا میں نہیں، بلکہ پورے عالم اسلام میں، اور سمجھتے کہ ایک حیثیت سے متمدن دنیا میں، تو اکبر کے بعد اس سے بدتر آدمی آنا چاہیے تھا، اس لیے کہ عام طور پر زمانہ انحطاط کی طرف چلتا ہے، اور برے اثرات کو قبول کرتا ہے، اور تشبیہ کی طرف جانا آسان ہوتا ہے، اور بلندی کی طرف جانا مشکل ہوتا ہے، کیا بات ہے کہ اکبر کے بعد جہاں گیر آتا ہے جو اس سے بہتر، اور جہاں گیر کے بعد شاہجہاں آتا ہے جو اس سے بہتر، اور شاہجہاں کے بعد مجھی الدین اور نگ زیب آتا ہے جو اس سے کہیں بہتر، جس کو علی الظبطاوی کہتے ہیں کہ وہ سادس الخلفاء الراشدین ہیں، ان کو چھٹا خلیفہ راشد ماننا چاہیے، اور پورا مضمون ہے بقیة الخلفاء الراشدین کے عنوان سے، جس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ وہ خلفاء راشدین کا ایک نمونہ تھے، اور حضرت عمر بن عبد العزیز کے بعد ایسی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور خدمت حدیث
اس کے بعد میں دوسرا نام لوں گا حضرت شاہ ولی

رخصت کیا، یہ جانتے ہوئے کہ یہ شہادت زار ہے، یہاں آدمی اسی لیے جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں سر کٹائے، اور ان کی شہادت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔

آج کافتنہ کیا ہے؟

اب میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ کے لیے سعادت مندی کی بات، اور آپ کے لیے انتہائی شرافت کی بات، اور شکر گزاری کی بات، اور بلکہ خوش قسمتی اور بلند طالعی کی بات یہ ہے کہ آپ اس وقت یہاں سے نکلنے کے بعد اس وقت کے فتنے کو آپ سمجھیں، آج کیا ہے؟ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال (اور جس کو عربی میں حرکۃ الایبادۃ کہتے ہیں)، یعنی ان کی معنوی، اعتمادی، تہذیبی، ثقافتی نسل کشی کا پورا نقشہ تیار ہے، پورا منصوبہ تیار ہے، اور پونکہ مجھے دینی تعلیمی کو نسل کی خدمت کا شرف حاصل ہے، اور شروع سے اس سے تعلق ہے، اور اس کے ذریعے سے بہت سی ایسی چیزوں پر نظر پڑ جاتی ہے جن پر عام لوگوں کی نظر نہیں پڑتی، کہ اس وقت بی جے پی کے پاس بھی، اور جو ہندو فرقہ پرست لیدر ہیں اور جن کو اپنی قوم میں مقبولیت حاصل ہے، اور وسائل حاصل ہیں، امکانات بھی ان کے لیے آسان ہیں، ان کے پاس پورا نقشہ بننا ہوا ہے کہ بہت ہی دل پر پھر رکھ کر اور بڑی اذیت کے احساس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ اس ملک کو (اس سے زیادہ اور میں نہیں کہہ سکتا)، اس ملک کو اپسین بنادینا چاہتے ہیں، یہ نقشہ بالکل تیار ہے، اس میں کسی قسم کا تردود اور ابہام نہیں ہے، فیصلہ شدہ بات ہے، اور اسی کے لیے سب یا آپ دیکھ رہے ہیں، یہ باری مسجد کی شہادت، اور ان کے اس وقت جو جذبات ہیں، اگر آپ ہندی کے اخبارات پڑھتے ہوں یا کم سے کم انگریزی ہی کے اخبارات پڑھتے ہوں، یا ان کے کسی جلسے کی روادا آپ کو معلوم ہو، اور ان کی تقریروں کے

پورا حاذق قائم کرنا، علمی حاذق، فکری حاذق، اعتمادی حاذق، عملی حاذق قائم کرنا، یہ فیض ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کی درسگاہ کا۔

انھوں نے دہلی کے ایک محلہ میں، ہم نے اس محلہ کی زیارت کی ہے، اور آگر آپ والد ماجد مرحوم (رحمۃ اللہ علیہ) کا سفرنامہ دہلی اور اس کے اطراف پڑھیں، جو حضرت سید سلیمان ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے حواشی کے ساتھ معارف میں سب سے پہلے شائع کیا، اور پھر اس کے بعد وہ انجمن ترقی اردو (دہلی) کی طرف سے شائع ہوا، اور اس کے کئی ایڈیشن نکلے ہیں، تو (اب تو مکان بھی معلوم نہیں اس کے نشان ہیں یا نہیں) دہلی کے غریبوں کے ایک محلہ میں، ایک بالکل دنیا کے سامان آرائش سے خالی، (محروم تو نہیں کہتا) ایک گوشہ میں ایک مکان تھا، وہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کا درس دینا شروع کیا، اور وہیں حجۃ اللہ البالغة اور یہ کتابیں لکھی گئیں، یا کچھ سفر میں، اور وہاں صحاح ستہ کا درس دیا، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے درس دیا، اس درس سے کیسے لوگ پیدا ہوئے؟ شاہ اسحاق صاحب محدث اور حضرت شاہ محمد یعقوب محدث، شاہ عبدالغنی محدث، جن کے تلمذ کا سلسلہ دیوبند تک پہنچتا ہے، اور حضرت مولانا علامہ حیدر علی رامپوری مقیم ٹونک اور ایسے بڑے محدث اور عالم پیدا ہوئے، پھر اس کے بعد ان لوگوں نے وہاں حرمین شریفین میں جا کر، حجاز میں جا کر حدیث کا درس دیا، اور حدیث عاصم ہوئی۔

تو میں نے یہ مثالیں مادر علمی، مادر روحانی، مادر تربیتی کی دیں، ان کے کارنامے کو میں نے بیان کیا، ایسی کئی اور مادر علمی کی مثالیں دی جا سکتی ہیں، اور ایک خسناء کا واقعہ بیان کیا جھومن نے اپنے ہاتھ سے اپنے بیٹوں کو میدان جنگ کے لیے

اللہ صاحب محدث دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کا، اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ حقیقت میں یہ دارالعلوم ندوہ العلماء اور دوسرے مدارس جن میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، اور اس کے ہم مسلک جتنی درسگاہیں ہیں، وہ سب حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے مدرسہ فکر پر قائم ہوئے ہیں، سن لیں فضلاء جو جاری ہیں کہ آپ اسی خاندان کے فونہال ہیں، آپ اسی شجرہ طوبی کی شاخیں ہیں، اور پتے ہیں، آپ کو بھی اس شجرہ طوبی سے پانارشتہ نہیں توڑنا چاہیے، آپ کی سب سے بڑی کامیابی اور سعادت مندی اور آپ کی سعادت فرزندی یہ ہے کہ آپ اس شجرہ طوبی سے تعلق رکھتے ہیں، جس کی شاخ ہم بھختے ہیں کہ کم سے کم ہندوستان میں ہر چیز العقیدہ، تو حیدر خا لص اور سنت سنیہ کی پیر وی کرنے والے کے گھر میں ضرور ہوگی۔

اس مادر علمی نے کیا کیا؟ مجھے معاف کیا جائے، میں یہ لفظ بولتا ہوں کہ اس سے زیادہ شفقت کا لفاظ اور فطری تربیت کا لفاظ اور جس کے لیے عربی میں بھی امومة سے بڑھ کر، حنفی اُم سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے، اس ولی اللہی درسگاہ اور مادر علمی نے کیا کیا، کہ حدیث تقریباً ہندوستان سے ناپید ہو چکی تھی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی پاہر سے حدیث لے کر آئے، لیکن وہ ان کے فرزندوں کے دارہ میں مددوڑھی، اور آپ اگر پروفیسر خلیق احمد صاحب اظہامی کی کتاب جو ان پر ہے، اس کو پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ ان کے اثرات کیا پڑے، ان کے اثرات پڑے، اور وہ بہت ہی قابل اعتراض اور قابل شکر ہیں، اور وہ مستحب دعا ہیں۔

لیکن سچی بات یہ ہے کہ حدیث کے درس کی عمومیت، حدیث کی تحقیق، حدیث کی خدمت، اور صحاح ستہ کا درس، اور اس سے بڑھ کر سنت سنیہ کی اشاعت اور اس کی رغبت پیدا کرنا اور بدعتات کے خلاف جہاد، اور بدعت کے خلاف حاذق آرائی، ایک

نے اس دارالعلوم سے، اس کے اساتذہ سے، اپنے کس شریفانہ تعلق کا، اپنے فرزندانہ تعلق کا اور اب اپنے اظہار کیا ہے، اس کا حق اس سے نہیں ادا ہوگا۔

اگر بھی کرنا تھا میرے عنزیزو، پھر انگریزی پڑھتے اور آپ انگلینڈ اور امریکہ جاتے، اور وہاں بھی تو کریاں مل رہی ہیں اور ہمارے لاکھوں لاکھ پاکستانی ہندوستانی وہاں موجود ہیں، آپ نے عربی پڑھی، آپ نے قرآن، سب سے آخری چیز جو ہے اللہ کا کلام پڑھا، اور پھر اس کو برہا راست اسی زبان میں جس زبان میں اتنا تھا، اس میں سمجھنے کی اہلیت پیدا کی، اور آپ نے حدیث پڑھی، اللہ کے رسول کا مخطوط کلام پڑھا، اور پھر آپ نے یہاں رہ کر مجددین کے حالات، مصلحین کے حالات پڑھے، انھوں نے کیسے کیسے نازک زمانے میں ملکوں کو سنبھالا ہے، معاشرے کو سنبھالا ہے، اور بعض اوقات پورے پورے برا عظم میں دین پھیلا دیا ہے، حضرت سیدنا عبدالقار جیلانی کے خلفاء تھے، اس کا انگریز مورخین بھی اعتراف کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ افریقہ میں جو اسلام پھیلا ہے، زیادہ تر قادری سلسلے کے مشائخ سے پھیلا ہے، ابھی انڈونیشیا، میلشیا جو آپ کے قریب ہے مایہ ملک ہیں، یہاں اسلام کس کے ذریعے سے پھیلا؟ حضرموت کے سادات، اور حضرموت کے تجارتیں اور یہ عرب کے ساحل کے قریب کے بستے والے، دہاں گئے، یہ تاریخی حقیقت ہے کہ اس کا ایک ثبوت بھی نہیں ہے کہ کوئی اسلامی لشکر انڈونیشیا اور میلشیا وغیرہ گیا ہو، اور وہاں اس کے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہو، نہ کوئی اسلامی لشکر نہ چین گیا ہے اور نہ ہی یہاں ان ملکوں میں گیا ہے، جن کا میں نے ابھی نام لیا، جنوبی ایشیا کے یہ ملک ہیں، یہ ان مسلمان تاجروں اور سادات، اور تکرار کے ساتھ اپنے قابل قدر مضمایم میں کیا ہے، اور میں سنтарہا ہوں کہ آپ شیوخ کے ذریعے سے مسلمان ہوئے۔

اور اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور الحمد للہ اپنے اور اپنے متعدد ساتھیوں کے عمل و کردار کے اعتناد پر بھی کہتا ہوں کہ یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں، ایسی بات نہیں جو صرف خیالی ہے، اور جو صرف آپ سے کہی جا رہی ہے، اور اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے کہ آپ کی کامیابی اس میں نہیں ہے، آپ کے حق فرزندی ادا کرنے کا یہ مظہر نہیں ہے کہ آپ یونیورسٹیوں میں جائیں، اور وہاں سے گرجویش کریں، صاف صاف انگریزی زبان سے واقف ہوں، انگریزی زبان سے بہت فائدہ اٹھایا ہے، اور اپنی مجلسوں میں کہتا رہتا ہوں کہ تھوڑی سی انگریزی جانتی چاہیے، تاکہ آپ اسلامیات پر ایسا تقاضی مطالعہ پیش کر سکیں اور ان کتابوں کے حوالے دے سکیں، اور یہاں انگریزی نصاب درس میں داخل ہے، لیکن آپ اس کو مقصد بنا کریں، آپ اس کو اپنی کامیابی کا معیار سمجھیں کہ آپ یونیورسٹیوں میں جائیں، اور بی۔ اے، ایم۔ اے۔ کریں، اور اس کے بعد آپ کو کہیں لکھ رہ پہل جائے، کہیں اور آپ کو کوئی جگہ مل جائے، یہ آپ کی سعادت مندی اور حق فرزندی نہیں۔

یہ بھی صفائی سے کہتا ہوں کہ آپ کی سعادت مندی اور حق فرزندی نہیں ہے کہ آپ خلیج عرب میں جائیں اور آپ وہاں نوکریاں تلاش کریں، جو آپ کو آسانی کے ساتھ مل سکتی ہیں اور آپ کے بہت سے بھائی، یہاں کے فضلاء وہاں ہیں، لیکن میں صاف صاف کہتا ہوں کہ ان میں سے کسی ایک چیز کے ذریعے بھی آپ یہاں کا حق نہیں ادا کر سکیں گے جس حق کا اظہار آپ نے بڑی بلاغت کے ساتھ، اور بڑی ادبیت کے ساتھ، اور بڑے اعداد اور تکرار کے ساتھ اپنے قابل قدر مضامیں میں کیا ہے، اور میں سنтарہا ہوں کہ آپ

اگر آپ خلاصے نہ لیں، یا وہاں آپ شریک ہو سکیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس پر پورا اتفاق رائے ہو گیا ہے، پورا اجماع جیسے ہوتا ہے، کہ اس ملک میں اب یہ ایک نیا دور شروع ہو گا، اور اب یہاں مسلمانوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں، ان کو باہر چلا جانا چاہیے، اور اگر یہ ہیں تو اپنے ہر قسم کے ملی تشخص سے محروم نہیں، بلکہ بے زار ہو کر رہیں، ہر قسم کا تشخص جوان کو ممتاز کرتا ہے غیر مسلموں سے، ان لوگوں سے جو مسلمان نہیں، ان سب خود دستبردار ہوں اور بے زار ہوں، اس کی تفصیلات میں میں جانا نہیں چاہتا اور اس کی طبیعت متحمل بھی نہیں ہے، لیکن اس کی تفصیلات آتی رہتی ہیں، اور اندیشہ ہے کہ اور زیادہ آئیں۔

آج پورا ایک دور اکبری

شروعِ مورہا مہ

تو اس وقت یہ ایک پورا دور اکبری شروع ہو رہا ہے، لیکن دور اکبری سے زیادہ اس کے پاس اسلحہ اور سہولتیں اور مقبولیت کے ذریعہ ہیں، اور یہاں کی تاریخ اور یہاں کی سرزمین اور یہاں کے جو تاثرات اور جذبات ہیں، ان سے زیادہ ہم آہنگی پائی جاتی ہے، کہ اکبر نے تو ایک ایسی چیز شروع کی تھی جس کے لیے ملک پورے طور پر تیار نہیں تھا، لیکن اب صحافت کے ذریعے، ایڈیٹریشن کے ذریعے، لٹریچر کے ذریعے، اور سب سے بڑھ کر پھر سیاسی انتخابات والکشن کے ذریعے ملک کو تیار کر دیا گیا ہے کہ یہاں کی اکثریت اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس ملک سے اسلام کا اخراج کر دے، یا کم سے کم مسلمان اس ملک کو چھوڑ کر جانے پر مجبور ہو جائیں، جن میں ذرا بھی دینی حیمت ہے۔

اب میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں، اور اپنے اوپر حق سمجھتا ہوں کہ آپ سے یہ کہوں کہ اس وقت آپ کے لیے، بغیر کسی مذurat کے کہتا ہوں،

عرب میں مل جاتی ہیں، یا یہاں جو آپ انگریزی پڑھ کر کے کہیں کسی کالج میں الگ جائیں، کسی اسکول میں آپ لگ جائیں، اس پر آپ اس کو قربان نہ کریں، اس کی قیمت صرف اللہ ادا کر سلتا ہے، اور اس کی قیمت صرف اللہ کے پاس ہے، اور وہ کیا ہے؟ ”وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ“ [سورۃ التوبۃ: ۷۶]

بس میں اس پر ختم کرتا ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق دے، ہمارے ان عزیزوں کو، کہ ان میں سے جی تو چاہتا ہے کہ کل سو فیصدی، لیکن اس میں سے ان کی بیشتر تعداد، ان کی اکثریت اس بات کا عہد کرے کہ ہم ان شاء اللہ اپنی ساری تو انایاں لگادیں گے دین کی حفاظت میں، اور ملت کے شخص کی حفاظت میں، اور اس ملک کو اپسین نہیں بننے دیں گے، بلکہ ہو سکتا ہے ہم اللہ سے دعا کریں گے کہ یہاں اسلام کے قبول کرنے کا دروازہ کھلے، اور اس کے بھی آثار ہیں، میں آپ کو صاف بتا دیتا ہوں کہ ہو سکتا ہے کہ بالکل خارق عادت طریقے پر یہ بات ظاہر ہو، اس سلسلے میں اتنا عرض کروں کہ میرے پاس خطوط آرہے ہیں اور اخبارات بھی کہ جن لوگوں نے با بری مسجد کو شہید کیا، ان میں بڑی تعداد پاگل ہو رہی ہے، اور پھر ان میں سے بہت سے وہ جو دعاویں کے ذریعے پھر ٹھیک ہو گئے، تو وہ اسلام قبول کر رہے ہیں، اس کے لیے اس کی بھی شہادتیں پیدا ہو رہی ہیں، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی قدرت سے، اور اس کا جو دین سے تعلق ہے، اس کے لحاظ سے یہ بات کوئی بعد ازاں قیاس نہیں ہے، اور ناممکن نہیں ہے، لیکن آپ ارادہ کریں اور اپنی زندگیوں کے متعلق فیصلہ کریں، پھر اللہ تعالیٰ ہر چیز کا متنکفل ہے وہ خیر الرازقین، و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و نبینا محمد و علی آلہ و صحابہ اجمعین۔

☆☆☆☆☆

تحفظ دین کا عهد کیجیے!
تو آپ کی اس میں جو کچھ کہیے، کہ جیسے ان مدارس کے فضلاء ہی سے ہو سکتی ہے، باقی سب کا تجربہ ہو چکا، ہمارا اپنے رہنماؤں کا، اپنے مفکرین کا، اور اخبار انویسوں کا، مضمون نگاروں کا، سب کا تجربہ ہو گیا کہ اس پر ان میں وہ ثابت قدی، اور وہ استقلال نہیں ہے جو ہونا چاہیے، جس کی اگر امید کی جاسکتی ہے تو مدارس عربیہ کے فضلاء سے۔

آپ اپنے طور پر اللہ سے عہد کریں، یہاں نہ کسی اعلان کی ضرورت ہے، اور نہ کسی اظہار کی ضرورت ہے، آپ اللہ سے دعا بھی کریں، اور اللہ سے عہد و پیمان بھی کریں کہ ہم ان شاء اللہ اس دین کے تحفظ کی پوری کوشش کریں گے، اور اپنی پوری صلاحیتیں اس پر لگادیں گے۔

دُقَّةُ كَاللَّهِ مَتَكَفِّلٌ هے

اور یہ میں آپ سے، اذان ہو رہی ہے، اس اذان کی برکت و حرمت کے سایہ میں، اس کی آواز فاقہ سے نہیں رکھے گا، اور آپ کو دوسروں سے زیادہ عزت کے ساتھ کھلانے کا ان شاء اللہ، اور آپ کے دستِ خوان پر وہ لوگ ہوں گے کہ جو ریسوس کے دستِ خوان پر نہیں ہوتے، ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا ہے، مولانا مدنی کا دستِ خوان دیکھا ہے، حضرت شیخ الحدیث کا دستِ خوان دیکھا ہے، اپنے بزرگوں کے دستِ خوان دیکھے ہیں، کیا کسی امیر کو نصیب ہوں گے ایسے معزز مہمان، اور ایسے کیشِ التعادم مہمان، اور ایسے کیشِ الانواعِ اطعمة، کہ جو ان کو نصیب تھے۔

تو آپ بالکل اطمینان رکھیے کہ رزق کا اللہ تعالیٰ متنکفل ہے، اور اس کے لیے آپ اپنی یہ بضاعت، اپنایہ سرمایہ جس کا آپ نے بڑے تقاضے کے ساتھ اور بڑے تشكیر کے جذبے کے ساتھ ذکر کیا ہے، اس کو آپ ان سب کو کہتا ہوں، ان سب کو ایک کتبہ اور ایک خاندان سمجھتا ہوں، کہ ان کے بانیوں کو اس

پورے شخصات کے ساتھ، یہاں تک کہ آج لوگ کہتے ہیں، یہ کہنے لگے ہیں کہ پرشیل لا کے مسئلہ پر اتنا اڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تھا اگر ہو جاتا اور دائیٰ نقہ ملتا؟ یہاں تک لوگ کہنے لگے ہیں، بعض ایسا لوگ جو صاحبِ فکر سمجھے جاتے ہیں۔

لیکن نہیں! امتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جب تک کہ ان چیزوں پر آدمی نہ جنے جن میں تھوڑی بہت اجازت ہے ہٹنے کی، اس وقت تک ان چیزوں کی بھی حفاظت نہیں ہو سکتی جن کی پوری پوری حفاظت، کلی حفاظت ضروری ہے۔

تو آپ یہاں سے ارادہ کر کے ٹکلیں، وقت ہو گیا ہے، میں زیادہ طول بھی نہیں دینا چاہتا، کہ اگر صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے اعتناد پر کہتا ہوں کہ اگر صرف یہ جمع، یہاں سے نکلنے والے یہ فضلاء یہ طے کر لیں کہ ہم اپنی زندگیاں، اپنی تو انایاں، اپنی ذہانتیں، اپنی محنتیں سب اس پر صرف کر دیں گے کہ یہاں سے اسلام باہر جانے پر مجبور نہ ہو، اور یہ اپنے پورے شخص کے ساتھ رہے، اور اپنے علم دین کے ساتھ رہے، یہاں مدارس ہوں، مکاتب ہوں، اور قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہو، تو بالکل ممکن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حالات میں انقلاب پیدا کر دے، اور اس کا سہرا آپ کے سر بند ہے، یا اس دارالعلوم کے بانی، اور دارالعلوم دیوبند کے بانی، میں ان سب کو کہتا ہوں، ان سب کو ایک کتبہ

اور ایک خاندان سمجھتا ہوں، کہ ان کے بانیوں کو اس

بصیرت افروز

انسانیت کا تقاضا

اہذا ایک دوسرے کی فکر بھی رکھو اور تم میں بہتر صرف وہی ہے جو "تقویٰ" اختیار کرے۔

"تقویٰ" عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ عربی کے لفظ "وقیٰ - یقینی - وقاریہ" سے بنائے ہے، جس کے معنی ہیں: اپنے کو بری باتوں سے بچانا، اپنے کو خطرہ سے بچانا، اپنے کو بری جگہ یا بری چیز سے بچانا، یہ سب مفہوم اس میں شامل ہیں، اسلامی اصطلاح میں ہم "تقویٰ" کا جو لفظ بولتے ہیں، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اپنے کو بری باتوں سے بچاؤ، اپنے کو غلط باتوں سے بچاؤ اور وہ غلط باتیں کون ہی ہیں؟ وہ بھی ہم کو بتایا گیا ہے کہ غلط باتیں فلاں فلاں ہیں، الہذا جو شخص بھی ان باتوں سے احتیاط کرے گا اور اپنے کو ان غلط باتوں سے بچائے گا، اس کو اچھا اور اچھا درجہ دیا جائے گا اور وہ ایک بہتر انسان شمار ہو گا، اسی طرح جو شخص اپنے کو بری باتوں سے نہیں بچائے گا، وہ بہتر انسان نہیں ہو سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جب ہم سب انسان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی یہ ہے کہ عرب ہو یا عجم، کالا ہو یا گورا آپس میں تمام انسان ایک ہی ہیں اور سب بھائی بھائی ہیں، اس لیے کہ سب آدم کی اولاد ہیں، یعنی ایک باپ کی اولاد ہیں، تو کیوں نہ سب لوگ اس مقام پر آنے کی کوشش کریں جس پر آج اکٹھا ہونے کی سخت ضرورت ہے، جو مقام ہم کو سکھایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے اور وہ یہ کہ ہم میں سے ہر انسان دوسرے انسان کو اپنا بھائی سمجھے، جب ہر ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھے گا، تو ہر ایک دوسرے سے قریب ہو گا، اس کے فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھے گا، جیسے بھائی بھائی کو سمجھتا ہے، وہ اس کے فائدہ کو اپنا فائدہ اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھتا ہے، قرآن وحدیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں، اس

حضرت مولانا سید محمد رابع حنفی ندوی

یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ وہ بہت حقیر چیز سے بنایا گیا ہے اور وہ اچھا اسی وقت بن سکتا ہے جب وہ اچھا طریقہ اختیار کرے، لیکن اگر وہ مٹی ہی میں رہنا پسند کرتا ہے تو ظاہر ہے وہ بری حالت میں رہے گا اور مٹی کی جو حالت ہے وہی حالت اس کی ہو جائے گی، یعنی ذلت اور رسولی کی حالت ہو جائے گی، لیکن اگر وہ اس مٹی سے نکلا چاہتا ہے تو اس کو بلند اخلاق اختیار کرنا ہوں گے اور یہ راز قرآن مجید میں بھی بتادیا گیا ہے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر تم کو بہت اچھی باتیں اور اچھا طریقہ بتادیا ہے، ان کے ذریعہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ تم مٹی سے اونچے ہو جاؤ، مٹی سے نکل کر بلند ہو جاؤ، لیکن اگر تم اس سے نہیں نکلو گے اور خود کو بلند کرنے کی کوشش نہیں کرو گے تو تم خوار اور رسوا ہو گے، جیسے مٹی رسوا ہوتی ہے اور خاک اڑتی ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے ایک اصول کے طور پر یہ بات بیان فرمادی کہ جب ہم انسان کی حیثیت سے زندگی گذاریں گے تو ہم مٹی سے بلند ہوں گے، ورنہ پھر ہم مٹی ہی کے زمرة میں رہیں گے، جس طرح جانور ہوتے ہیں کہ ان کو مٹی سے نکلنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے، نہ مٹی سے نکلنے کا راستہ ان کو بتایا گیا ہے، وہ مٹی میں ہی رہتے ہیں اور اسی میں چریتے ہیں، البتہ انسان اس سے بلند ہے اور اس کو بلندی حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب تم سب آدم کی اولاد ہو تو ایک دوسرے کے بھائی ہو، اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: "الناس بنو آدم و آدم من تراب" [سنن اثر ندی: ۷۳۳] (تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں)۔ اس حدیث سے تمام انسانیت کو یہ پیغام دے دیا گیا کہ ہر ایک کو اپنی حیثیت سمجھنا چاہیے،

ہمدردی کا جذبہ ہے، ہمارے اندر دوسرے کے لیے محبت ہے، یہ انسان کی حیثیت سے ہماری صفت اور ہمارا طرز و طریقہ ہونا چاہیے، جب ہم انسان ہیں تو ہم کو انسانی صفات، انسانی اخلاق اور انسانی سیرت اختیار کرنی چاہیے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں بھی مختلف طبقات ہیں، مختلف مذاہب ہیں اور مختلف نسلیں ہیں، اس لیے یہاں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا سلوک کریں کہ ہم سب آپس میں واقعی بھائی بھائی معلوم ہوں اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوتے ہیں تو نہ کہ سیاسی اتحاد، اس لیے کہ سیاست تو مصلحتوں سے چلتی ہے، لیکن انسانی اخلاق اور انسانیت اس طرح نہیں چلتی کہ ہم صرف اپنی مصلحت دیکھیں، بلکہ اس میں یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بھائی کی طرح رہیں۔

☆☆☆☆☆

یہ سمجھے کہ ہمارا مذہب کوئی روک لگائے گا، کیونکہ جب انسانی سلطھ پر کچھ کرنا ہو تو اس میں مذہب نہیں دیکھا جاتا ہے، جب آپ ایک ساتھ رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے پڑوی ہیں تو اس میں مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرنے کی ممانعت ہرگز نہیں ہے، بلکہ سلوک کرنا مستحسن ہے، بالخصوص جب کوئی سوسائٹی مشترک مذاہب اور مشترک خیالات کی حامل ہو، تو ایسی صورت میں ہمیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہوتا ہے، اس لیے کہ جب سوسائٹی میں مختلف خیالات اور مختلف مذاہب کے ماننے والے ہوتے ہیں تو ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے زیادہ دیکھتے ہیں، ایسے وقت میں ہماری ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے کہ ہم زیادہ اخلاق بر تیں، تاکہ یہ جو دوری ہے، یہ دوری انسانی سلطھ پر دور ہو جائے، چونکہ ہم ایک انسان ہیں، اس لیے ہمارے اندر اخلاق ہیں، ہمارے اندر حسن سیرت ہے، ہمارے اندر ایک دوسرے سے

سخاوت نفس اور انفاقِ مال

حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ

ایابت اور رجوع الی اللہ کے بعد معاذ میں سب سے اعلیٰ اخلاق سخاوت نفس ہے، جس طرح رجوع الی اللہ (ایابت و عبودیت) دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے، اسی طرح سخاوت خسیں اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے، اس لیے کہ وہ بھیت کی خدمت ہے، اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں، اور بہیانہ صفات ان سے دب جائیں، بلکہ ان کے رنگ میں رنگ جائیں، اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے، اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باد جو دضورت واحتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے، ظالم کو معاف کیا جائے، مصائب پر صبر کیا جائے، اور دنیاوی تکالیف و مشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان و خوشگوار ہو جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے، اور ان کے حدود و مقرر فرمادیے ہیں، ان میں مال کا خرچ کرنا بھی ہے، جو بہت سے حدود و قیود کے ساتھ وابستہ ہے، اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے۔

☆☆☆

لیے ہم کو چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کے ساتھ وہی روایہ اختیار کریں جو بھائی بھائی کے ساتھ کرتا ہے اور یہ دیکھا گیا ہے کہ ہر انسان خواہ وہ کتنا ہی برا ہو، لیکن بری بات کو برآ سمجھتا ہے، جھوٹ بولنے والا کتنا ہی جھوٹ بولے، لیکن اگر اس سے یہ معلوم کیا جائے کہ جھوٹ اچھی چیز ہے یا بری چیز ہے؟ تو یقیناً وہ بھی کہے گا کہ جھوٹ بری چیز ہے، اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی کو تلقنی ہی تکلیف پہنچاتا ہو اور بڑا غلام ہو، لیکن اگر اس سے پوچھا جائے اور اس کی صحیح رائے لی جائے کہ ظلم کیسی چیز ہے؟ تو وہ بھی بھی کہے گا کہ ظلم بری چیز ہے، اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں یہ ایک احسان رکھا ہے کہ وہ برے کو برآ سمجھتا ہے اور اچھے کو اچھا سمجھتا ہے۔

انسانی مراجح کا عمومی جائزہ لینے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ جب تمام انسان ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور برے اچھے کو سمجھتے بھی ہیں، تو ہم سب کو اسی حساب سے ہر ایک سے معاملہ کرنا چاہیے، ہم سوسائٹی کے ہر فرد کے ساتھ حسن سلوک کریں، وہ سوسائٹی خواہ ایک مذہب کی ہو یا متعدد مذاہب کی ہو، ہم کو یہ طے کرنا ہے کہ ہم بھیت انسان کے آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی کریں گے، ایک دوسرے کی تکلیف کو دور کرنے کی فکر کریں گے، جیسے اپنی تکلیف دور کرتے ہیں، اپنے بھائی کی تکلیف دور کرتے ہیں اور اپنے پڑوی کی تکلیف دور کرتے ہیں، خود قرآن مجید میں بھی ان باتوں کا حکم ہے کہ تم اپنے پڑوی کا خیال کرو اور اپنے عزیز کا خیال کرو، لہذا سوسائٹی میں اگر کوئی ہمارا رشتہ دار ہے تو ہم رشتہ داری کے ناطے اس کا خیال کریں گے، اگر کوئی ہمارا پڑوی ہے تو پڑوی کے لحاظ سے اس کا خیال کریں گے اور اس سلسلہ میں کوئی

فکر و نظر

زفہ نذرِ رسٰل - اصول و آداب

مولاناڈا کٹ سعید الرحمن اعظمی ندوی

یہ کہ دنیاوی علوم کا فرع دینی علوم سے کہیں زیادہ ہے، دنیاوی علوم کے سیکھنے سے ایک انسان وسیع النظر اور وسیع الفکر بنتا ہے، اور دینی علوم کے ذریعہ محدود فکر اور تنگ نظر بنتا ہے، اس قسم کی بہت سی بدگمانیاں ہیں جن سے ایک طالب علم کو واسطہ پڑ رہا ہے۔

ایک صحیح الفکر مدرس اور عالیٰ ظرف استاذ کی ثبت فکر ہونی چاہیے، کہ وہ دین اور عقل کے درمیان جوڑ اور ہم آہنگ پیدا کرے، اس لیے کہ دین ہی انسان کو طلب علم پر آمادہ کرتا ہے، بل کہ دین علم کو اپنا خادم سمجھتا ہے، اور علمائے راشخین کو دینی خدمات کا حق دار سمجھتا ہے، کہ وہ اس وسیع کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتی نشانیوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔

ایک عالم اپنی حسن ذکاوت، وسیع معلومات، اور راسخ علم کی روشنی میں کائنات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے، وہ اللہ جو کائنات کے نظام کو پوری باری کی اور حسن تدبیر کے ساتھ چلا رہے ہیں، اور کائناتی نظام کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہے ہیں، جس کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے: «إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاحْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لِآيَاتٍ لَّوْلَى الْأَبْيَابِ» [سورہ آل عمران]۔

ایک کامیاب استاذ، اور مدرس کی ذمہ داری صرف اتنی نہیں ہے کہ وہ اپنا درس پڑھادے یا گھنٹہ کی تکمیل کر دے، بل کہ استاذ دوسرا معنی میں مرتبی ہے جو اپنے تدریسی عمل سے پوری نسل تیار کرتا ہے، وسیع انظرا اور کثیر المعلومات عالم تیار کرتا ہے۔ جس کی نگاہ کائنات کے نظام اور انسانی فطرت کی حلقہ پر ہو، اشیاء کے فطری مزانج اور

وخلائقی قدروں اور علم کے حقیقی معانی و مقاصید کو منتقل بھی کر سکے گا، اور حقیقی معنی میں مرتبی کھلانے کا مستحق بھی ہو گا کہ وہ طالب علم کی علمی قابلیت و صلاحیت پر بھی نظر رکھ سکے گا، اور عقلی و فکری سرگرمیوں پر گرفت بھی، اور خیرخواہ اور فکرمند مرتبی و معلم ہی ہو سکتا ہے جو طالب علم کو یہ یقین دلائے کہ حقیقی سعادت مندی تعلیم و تعلم ہی میں ہے، اور ایک کامیاب انسان ہی علمی میراث و قابلیت کا صحیح مستحق ہو سکتا ہے، اور علم کو اس کی اپنی صحیح جگہ استعمال کر سکتا ہے، یعنی اعلیٰ مقاصد کے لیے علمی قابلیت و صلاحیت کو استعمال کرے، اور وہ ہے صحیح زندگی کی قیمت پہچانا، اللہ تعالیٰ کے احکام کا مطیع و فرماں بردار بنا، زندگی کی حقیقی سعادت اور آخوت کی کامیابی کا مستحق بننے کے لیے ایک مرتبی عالم اپنی حسن تدریس سے دلوں میں ایمانی قوت کو راسخ کر سکتا ہے، ایمان کامل اور علم حقیقی کے درمیان ربط پیدا کر سکتا ہے، اس لیے کہ علم ہمیشہ دین و ایمان کا حقیقی خادم رہا ہے، علم حقیقی ہی تدریس سے مزین کرنا بھی شامل ہے، جب استاذ تعلیمی و تربیتی امور میں ان بنیادی چیزوں کا لحاظ رکھے گا، طالب علم کوئی معلومات اور علمی آداب سے مزین کرے گا، تعلیمی مرافق کی تسهیل کرے گا، اور معاشرتی زندگی میں تعلیمی و تربیتی مرافق کو عام کرے گا تو یقیناً یہ استاذ ایک حقیقی مرتبی اور مخلص معلم ہو گا، اور ایک ذی اثر روحانی پیشوں بھی ثابت ہو گا، اور اپنے زیر تربیت طلباء میں دینی

۳۔ طالب علم اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرے، خود غرضی نہیں، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ وہ اپنے اہل تعلق میں باہمی تعاون اور اخلاقی برداشت کرے۔

۴۔ طالب علم کی مشکلات سے استاذ براہ راست واقف ہو تاکہ ان کا صحیح حل تلاش کیا جاسکے۔ استاذ کے حسن اخلاق میں سے یہ بھی ضروری ہے، کہ وہ طلبہ سے استمراری تعلق و ربط رکھے، تاکہ وہ اپنے معاشرتی، دینی مشکلات میں استاذ سے رہنمائی و مشورہ حاصل کرتا رہے اور اس لیے بھی کہ استاذ کی جانب سے طالب علم کی فکری عملی تربیت ہوتی رہے، اور اس لیے بھی کہ تکبر اور خودستائی کا شکار نہ ہو سکے۔ استاذ کا اپنے شاگرد کے ساتھ تعلقات کی استواری، بہت سے مسائل و مشکلات کا حل ہے کہ طالب علم استاذ سے تعلیمی تربیتی معاملات میں تعاون لے سکتا ہے، اور استاذ اس شاگرد کے ساتھ نفسیاتی برداشت کے ساتھ تدریسی معاملات میں ہر ممکن تعاون کر سکتا ہے، اس برداشت سے شاگرد پختہ باکمال اتنا یقین اور مرتبی بن سکتا ہے، اور اپنی مستقبل کی زندگی میں ایک کامیاب رہنمائی بھی بن سکتا ہے۔

اس زریں اور بیش بہا موقع پر ہم اس بات کو ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو ہارون رشید نے اپنے بیٹے محمد امین کے اتنا یقین اور استاذ سے اپنے بیٹے کی تربیت کے بارے میں کہی تھی، جس کو ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں یوں ذکر کیا ہے۔

اے احمد! بیٹک امیر المؤمنین نے تمہارے پاس اپنا جگر بھیجا ہے، اپنے دل کا پھل تمہارے حوالہ کیا ہے۔ اس کا پنی تربیت میں لے لو، امیر کی اطاعت تمہارے لیے واجب ہے، تم محمد امین

۵۔ طلبہ کو زیادہ علمی معلومات حاصل کرنے میں صحیح مشورہ دے اور ان کو اپنی حقیقت یاد دلائے اور اپنے اساتذہ کی سرپرستی و تربیت میں خوب ذاتی محنت کرنے پر ابھارے۔

اس لیے کہ موجودہ زمانہ میں حصول تعلیم کا مسئلہ مکمل طور پر طالب علم کی ذاتی محنت اور لگن پر مختصر ہے۔ وہ اپنے آپ کو پورا ذمہ دار ٹھہرائے، استاذ کی حیثیت تو صرف اشراف اور سرپرست کی ہونی چاہیے، اس سے زیادہ نہیں، جیسا کہ ”طرق تدریس“ کے دموقر مصنف شیخ صالح عبدالعزیز، اور عبدالعزیز عبدالجید نے لکھا ہے کہ موجودہ طرق تدریس کا مقصد یہ ہے کہ ان مواقع اور مشکلات کو واضح کیا جائے، جن سے طالب علم کا براہ راست تعلق ہے، تاکہ اپنی ذات سے مشکلات اور مسائل کے حل کا کامیاب طریقہ سوچ سکے، اور صحیح فکر کا حامل ہو، اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب طالب علم، تعلیم و تعلم کے صحیح مصادر اور سرچشمہ کے حصول پر پورے انہاک، اخلاقی قدر دوں، اور فطری صلاحیتوں کے ساتھ متوجہ ہو، اس لیے کہ ہر طالب علم اپنی فطری ذاتی لگن اور محنت کے ذریعہ تعلیمی میدان میں پیش رفت کر سکتا ہے۔

التد ریس: ص ۱۹۷] ایک صحیح الفکر اور راخیقیۃ العقیدۃ استاذ اپنے تدریسی عمل میں یقیناً ان باتوں کا بھی لحاظ رکھے گا۔

۶۔ طالب علم زندگی کے معاملات میں دوسروں کے ساتھ اخلاقی و محبنا نہ برداشت کرے، تاکہ لوگ اس کے قریب ہونے لگیں۔

۷۔ طلبہ کے سامنے اشکالات پیش کرے اور تدریسی امور سے صحیح ثبت نتائج اخذ کرے۔

۸۔ طلبہ کے سامنے مقصود کو فرماؤں نہ کرے اور تدریسی امور سے صحیح ثبت نتائج اخذ کرے۔

۹۔ طلبہ کے سامنے اشکالات پیش کرے اور انہیں سوال کرنے کا عادی بنائے، تاکہ وہ تدریسی ذمہ داری کو سمجھ سکیں، اور اشیاء کی حقیقت کا صحیح ادراک بھی کر سکیں۔

لیکن یہ بات اسی وقت ہو سکتی ہے جب پختہ ایمان و ای نسل تیار ہو، اور ایسا عالم ہو جو ہمہ جہتی مضبوط معلومات رکھے، انسان اور خدا کے درمیان کے رشتہ کو خوب سمجھتا ہو، کائنات اور خدا کے رشتہ کی حقیقت کو جانتا ہو، حقیقی اور صحیح عالم وہ ہے جو اپنی ذمہ داری کی پاسداری کرے اور تدریس میں ان امور کا خیال رکھے۔

۱۔ طلبہ کی صحیح علمی رہنمائی مقصود ہونے کے اپنی علمی نمائش۔

۲۔ تدریس میں اپنے مقصود کو فرماؤں نہ کرے اور تدریسی امور سے صحیح ثبت نتائج اخذ کرے۔

۳۔ طلبہ کے سامنے اشکالات پیش کرے اور انہیں سوال کرنے کا عادی بنائے، تاکہ وہ تدریسی ذمہ داری کو سمجھ سکیں، اور اشیاء کی حقیقت کا صحیح ادراک بھی کر سکیں۔

عقلوں کے مطابق کلام کیا کریں)۔ [المطالب العالیۃ مؤلف حافظ ابن حجر، کتاب الادب، باب اعقل وفضلہ: رقم: ۲۸۲۲]

۷- استاذ طالب علم کی ہمت کو پست نہ کرے کہ یہ تو بہت دیقیق اور گھر اعلم ہے، یہ طریقہ طالب علم کو علم سے دور بھی کر سکتا ہے، اور اس کی ہمت کو پست بھی، علم سے متعلق اس کا ذہن تشویش کا شکار بھی کر سکتا ہے، طالب علم اپنے استاذ سے متعلق یہ خیال بھی کر سکتا ہے کہ وہ میرے ساتھ علم کے باب میں بخل کر رہے ہیں، استاذ طالب علم کی ہمت کو بڑھائے، اس کی ڈھارس پاندھے، کہ وہ علم کا اہل اور مستحق ہے، کوئی علم دیقیق اور گھر انہیں ہے، ہمت اور ہمت سے ہر علم حاصل کیا جاسکتا ہے، مقصود تو اللہ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

۸- استاذ اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والا بھی ہو، اس کا فعل اس کے قول کی تکذیب نہ کرتا ہو، علم بصیرت سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اور عملی نگاہوں سے وجود میں آتا ہے، اور ظاہر ہے کہ ظاہری نگاہ والے اہل بصیرت کے مقابلہ میں زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ اگر ہر چیز سے متعلق یہ کہا جائے کہ اس کے قریب نہ جاؤ، اس کو استعمال نہ کرو، یہ زہر ہے تو لوگ اس کا تمسخر کریں گے، اس کا استہراء کریں گے، اور اس کو تمہرائیں گے، اور یہ حقیقت ہے کہ منع کی ہوئی چیز کی طرف لوگوں کا میلان زیادہ ہوتا ہے۔

ٹیڈھی لکڑی کا سایہ سیدھا کیسے ہو سکتا ہے، ناجربہ کار، اور بد اخلاق استاذ سے ایک صحیح الفکر طالب علم تربیت نہیں پاسکتا ہے۔

ترجمانی: عبدالرحمن طیب ندوی

☆☆☆☆☆

سے مقصود اللہ کا قرب ہے، نہ کہ منصب طلاقی اور دوسروں کے مقابلہ میں فخر و مبارکات سے پرہیز کریں، تنافس سے نہیں کہ وہ مطلوب ہے۔

۲- طالب علم کو اس کے برے اخلاق پر متنبہ کریں، کنایہ اور شفقت کے ساتھ، نہ کہ سرزنش اور ڈانٹ کے ذریعہ، اس لیے کہ صراحت، بہبیت و رعب کے جواب کو ختم کرتی ہے، اور طالب علم اپنے استاذ کے خلاف جرأت اور اختلاف کا عادی بنتا ہے، اور حرص انسان کو اصرار پر آمادہ کرتی ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "لَوْ مُنْعِنَ النَّاسَ عَنْ فَتْحِ الْبَغْرِ لَفَتَوْهُ" (اگر لوگوں کو تاش کے پتے ملانے سے منع کیا جائے تو وہ اصرار املاکیں گے)۔

۵- طالب علم کے دلوں میں ان علوم سے متعلق برائی نہ بھائے، جو وہ حاصل نہیں کر رہا ہے، جیسے لغت کا استاذ فقه کے متعلق طالب علم کو بدگمان نہ کرے، فقه کا استاذ طالب علم کو حدیث و تفسیر سے دور نہ کرے، علم کلام کا استاذ فقه کے طالب علم کو تفترشہ کرے، یہ استاذہ و مرتبی کے اخلاق سے بہت گری ہوئی بات ہے؛ بل کہ استاذ کو چاہیے کہ طالب علم کی بتدربخ تربیت کرے، تمام علوم سے اس کو متعارف کرائے، کہ وہ کسی بھی فن اور علم سے بدگمان نہ ہو۔

۶- طالب علم کو اس کے فہم و ذکاء کے مطابق تربیت دی جائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "سَخْنُ معاشرَ الْأُنْبِيَاءِ أَمْرُنَا أَنْ نُنْزِلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ وَنُنَكِّلْمُهُمْ عَلَىٰ قَدِيرٍ عَصْوُلِهِمْ" (ہم انبیاء اس بات کے مکلف کیے گئے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ان کے مقام و مرتبے کے اعتبار سے معاملہ کریں، اور لوگوں سے ان کی

کے ساتھ اس انداز سے پیش آؤ جس مقصد کے خاطر امیر المؤمنین نے اس کو تمہارے سپرد کیا ہے۔ قرآن کی تعلیم دو، اشعار عرب اخبار احوال سے باخبر کرو، آداب و سنن سے مزین کرو، موقع کلام سے مطلع کرو، زیادہ بھنسی سے باز رکھو، ہاں بر محل بھنسی سے کوئی مضائقہ نہیں، بھی ہاشم کے مشائخ کے احترام و اکرام سے مطلع کرو۔

اور ایسا کوئی وقت نہ گزرے جس میں وہ تم سے فائدہ نہ اٹھا سکے، حتیٰ المقدور اپنی تربیت سے محمد امین کو درست کرو، اگر تم نے اس کی صحیح تربیت نہ کی تو یقیناً محمد امین کے والدین تمہارے ساتھ تھتی کا برتاؤ کریں گے۔ [حلیۃ الاولیاء: رقم: ۲۲۵] یہ حدیث غریب اور سفیان ثوری سے مروی ہے۔

امام غزالیؒ نے بھی اپنے انداز سے طلبہ کے حق میں معلمین و مدرسین کے آداب ذکر کئے ہیں، جن کا ذکر کرنا یہاں موضوع کے مناسب معلوم ہوتا ہے:

۱- طلبہ کے ساتھ شفقت کا معاملہ کریں، ان کو اپنی اولاد کا درجہ دیں۔

۲- تدریس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار کریں، طلبہ کے افادہ میں کسی اجرت اور بدلہ کے خواہاں نہ ہوں، اور نہ شکر گزاری کے طلب کار، بل کہ طلبہ کو خالص اللہ کی رضا جوئی اور اس کے تقرب کے خاطر تعلیم دیں، اور نہ طلبہ پر کوئی تدریسی احسان جلا کیں، بل کہ ان کے دلوں کو صیقل کریں کہ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوں، اور ان کے دلوں میں علم کا بیج بوئیں۔

۳- طالب علم کو نصیحت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیں، استحقاق سے پہلے کسی علمی مرتبہ کے خواہاں نہ ہوں، طلبہ کو بتائیں کہ طلب علم

مسجد میں مرثیہ خواں ہیں کنمازی انہ رہے

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

حکم دیا گیا ہو، یا نماز کی وہی بیشتر رکھی گئی ہوں، جو اس امت کے لیے رکھی گئی ہیں؛ بلکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز عشاء اس امت کی خصوصیات میں ہے، پچھلی امتوں پر یہ نماز فرض نہیں تھی، [ابوداؤد، حدیث نمبر: ۲۳۱] امّت محمد یہ پر بھی ایسا نہیں ہے کہ واقعہ معراج سے پہلے نماز فرض نہ رہی ہو؛ بلکہ قرآن مجید کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے بعد سب سے پہلے جو فریضہ مسلمانوں پر عادیہ کیا گیا، وہ دعوت دین اور نماز ہے؛ کیوں کہ سورہ علق کی ابتدائی آیت کے نازل ہونے کے بعد سب سے پہلے سورہ مدثر کی ابتدائی آیت نازل ہوئی، [تفسیر خازن: ۲۲/۳] اور اس میں آپ کو بخاری، حدیث نمبر: ۳۹۲۶ [اوہ اس میں آپ کو دعوت دین کے ساتھ ساتھ نماز کی بھی تلقین کی گی]: ”يَا إِيَّاهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنذِرْ، وَرَبِّكَ فَكِّرْ“ [مدثر: ۱-۳] پہلی آیت میں آپ سے خطاب ہے، دوسری آیت میں انذار یعنی دعوت کا حکم ہے، اور تیسرا آیت میں اللہ کی بڑائی بیان کرنے یعنی نماز کا حکم ہے؛ البتہ ابھی دن و رات میں دو وقت کی نمازیں فرض کی گئی تھیں، دور رکعت طلوع آفتاب سے پہلے اور دور رکعت غروب آفتاب سے پہلے: زکعتین بالغدۃ و رکعتین بالعشی [تفسیر ابن عطیہ: ۱۰۳] محدثین اور سیرت نگاروں کا اس پر اجماع واتفاق ہے کہ پھر واقعہ معراج ہی کے موقع سے پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی۔ [تمہید لا بن عبدالبر: ۳۵/۸]

احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں پانچوں نمازوں کا دو دور رکعت ہی فرض ہوئی تھیں، بعد کو چار رکعت کردی گئیں؛ البتہ سفر میں دور رکعت باقی رکھی گئی، یہ بات اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقۃؓ سے مردی ہے، [بخاری، حدیث نمبر:

بھی دعا فرمائی کہ بار الہا! انہیں بھی نماز کی توفیق حیثیت حاصل ہے، جب رجب کا مہینہ شروع ہو جاتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے: ”اللّٰهُم بَرَّكْ لَنَا فِي رَجَبٍ وَ شَعْبَانَ وَ بَلْغَنَا رَمَضَانَ“ [اجم الاوسط: ۱۸۹/۲] اسلام سے پہلے رجب میں قربانی دی جاتی تھی، جس کو ”معیرہ“ کہا جاتا تھا، ابتداء اسلام میں بھی یہ قربانی باقی تھی، بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا، [توبہ: ۳۶] سال کے بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرام ہیں، جس کے اندر جنگ میں پہل کرنے کی اجازت نہیں، قرآن میں بھی ان مہینوں میں قبال کی ممانعت کی گئی ہے، [توبہ: ۳۶] ان حرام مہینوں میں ایک رجب کا مہینہ بھی ہے، اس ماہ سے سیرت نبوی کا ایک نہایت عظیم الشان واقعہ متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ اسرائیل کو بھی نماز کا حکم فرمایا گیا [یونس: ۸۷]، قرآن مجید نے حضرت زکریا علیہ السلام کے ایک واقعہ کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اس وقت محراب میں نماز ادا فرمائے تھے: ”وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمَحْرَابِ“ [آل عمران: ۱۰۴] اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب زمانہ شیر خواری میں مجزاتی طور پر گفتگو کرائی گئی تو اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ اللہ نے مجھے نماز کا حکم فرمایا ہے: ”وَأَوْضَنِي بِالصَّلَاةِ“ [مریم: ۳۳] غرض کہ جس قوم کے پاس بھی وہی آسمانی کپنچی، ان کو ایمان کے ساتھ نماز کا بھی حکم دیا گیا۔ البتہ ضروری نہیں ہے کہ پانچوں نمازوں کا

پر فرض نہیں ہے، قربانی اہل ثروت پر ہے غریبوں پر نہیں، اگر کسی علاقہ میں چہاد فرض ہو تو اس کا حکم مردوں اور جوانوں کے لیے ہے عورتوں اور بُوڑھوں کے لیے نہیں؛ لیکن نماز ہر ایسے شخص کے لیے ہے جس کے ہوش و حواس برقرار ہوں، صحت مند ہو یا بیمار، جوان ہو یا بُوڑھا، طاقت ور ہو یا گنرو، مالدار ہو یا غریب، مرد ہو یا عورت اور مسافر ہو یا مقیم۔

اسی طرح دوسری عبادتیں یا تو مکمل طور پر فرض ہیں یا فرض نہیں ہیں، ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص اس عبادت کو بد کمال و تمام انجام نہ دے سکتا جس حد تک انجام دے سکتا ہو، اس حد تک انجام دینے کا حکم دیا گیا ہو، اگر غروب آفتاب تک فاقہ رہنے کی طاقت نہیں ہے تو ایسا نہیں کہ ظہر تک روزہ رکھ لے، اگر نصاب زکوٰۃ کے نصف کا مالک ہو تو یہ نہیں ہے کہ اس کے بقدر زکوٰۃ فرض ہو، اگر حج کے لیے مکرمہ تک پہنچنے کی استطاعت نہ ہو تو ایسا نہیں ہے کہ جدہ تک جا کر واپس آجائے؛ لیکن نماز اگر اس کے تمام احکام و آداب کی رعایت کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا ہو تو جس طرح ادا کر سکتا ہو، اس طرح ادا کر لے، قیام فرض ہے؛ لیکن کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو پیٹھ کردا کر لے، بیٹھنے کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھے، غسل کی ضرورت ہو تو غسل کرنا اوروضو کی ضرورت ہو تو ضسو کرنا ضروری ہے؛ لیکن اگر پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو تو تیم کر لے، غرض جس حد تک اس عبادت کو انجام دے سکتا ہو، انجام دینا ضروری ہے، نماز کو بالکل چھوڑ دینا جائز نہیں۔

نماز کی اہمیت کی اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً سات سو موقع پر مختلف حیثیتوں سے نماز کا ذکر آیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام قبول کرنے والوں سے بیعت لیتے تو نماز کا عہد ضرور لیتے [بخاری، حدیث نمبر: ۵۲۲]، وفد عبد قیس بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کے کرنے کا حکم دیا، اور چار باتوں سے رکنے کا حکم دیا، جن چار باتوں کے کرنے کا حکم دیا، ان میں تو حیدر کی شہادت کے بعد پہلا حکم نماز کا تھا [بخاری، حدیث نمبر: ۷۵۵]، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے اہم اجزاء سمجھانے کے لیے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ

باقیوں پر ہے، یہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حیدر کی شہادت کے بعد سب سے پہلے نمازوں کے اوقات متین نہیں ہوئے تھے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج کی اگلی صبح حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور پانچوں وقت نماز پڑھ کر آپ کو بتایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق نماز ادا فرمائی، [بخاری، حدیث نمبر: ۱۲۲] نماز کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو س قدر محظوظ و مقبول تھا، اس کا اندازہ آپ کے اس قول سے کیجئے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے: جعل قرۃ عینی فی الصلاۃ [نسائی، حدیث نمبر: ۳۹۳۹] نماز سے آپ کو راحت ملتی اور سکون قلب حاصل ہوتا، آپ حضرت بلالؓ سے فرماتے: نماز قائم کر کے ہماری راحت کا سامان کرو: یا بلال! اقیم الصلاۃ اُر حننا بھا [ابوداؤد، حدیث نمبر: ۸۹۳۵] شریعت میں نابالغ پر عبادتیں فرض نہیں کی گئی ہیں؛ لیکن آپ نے خاص طور پر نماز کے بارے میں فرمایا کہ جب بچہ سات سال کی عمر کا ہو جائے تو اس کو نماز کا حکم دو اور جب دس سال کی عمر ہو جائے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو تنبیہ کرو، [ترمذی، حدیث نمبر: ۷۰] منشاء نبوی یہ تھا کہ بچوں پر اگرچہ نماز فرض نہیں ہے؛ لیکن ان کو شروع سے نماز کی عادت ڈالی جائے۔

عبادت میں نماز کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں، جو کسی اور عبادت کو حاصل نہیں، مثلًا نماز کے علاوہ تمام عبادتیں ایک طبقہ پر ہیں، دوسرے طبقہ پر نہیں، زکوٰۃ مالداروں پر فرض ہے غریبوں پر نہیں، روزہ صحت مندوں پر ہے بیماروں پر نہیں، سفرج کی فرضیت کے لیے صحت مند اور صاحب استطاعت ہونا ضروری ہے، نمازی اللہ کی تکمیر سے اپنی عبادت شروع کرتا ہے، قبلہ کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ سے شرک اور غیر اللہ

طرح بعض بہنوں کو غلط فہمی ہے کہ بچ کی پیدائش کے بعد بہر صورت چالیس دن تک نماز معاف ہے؛ حالاں کہ جس وقت بھی خون بند ہو جائے اور پاک صاف ہو جائیں، ضروری ہے کہ غسل کر لیں اور اس کے بعد نماز ادا کریں، خواہ ولادت کے ایک ہی دن بعد خون ہشم جائے۔

مقام عبرت ہے کہ جو عمل نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، اُست اس میں اپنی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک ہوتا ہے تو نماز نہیں پڑھ سکتے؛ حالاں کہ یہ بات بہت آسان ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے ایک الگ کپڑا رکھیں، اور جسم کے جس حصہ پر پیشاب لگ گیا ہے، صرف اس کو دھولیں، اسی

مسجدوں میں عام نمازوں میں مسجد کا ایک چوتحائی حصہ بھی پڑھنیں ہو پاتا، یہی حال گھروں میں خواتین کا ہے، سمجھا جاتا ہے کہ نماز پڑھنا صرف بوڑھی عورتوں کے ذمہ ہے، تعلیم حاصل کرنے والی، ملازمت کرنے والی اور کپوان کرنے والی خواتین پر گویا نماز فرض ہی نہیں ہے، بعض عورتوں سمجھتی ہیں کہ اگر بچہ کپڑے پر پیشاب کر دے تو نماز نہیں پڑھ سکتے؛ حالاں کہ یہ بات بہت آسان ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے بدیختی کیا ہو گی؟

☆☆☆☆☆

کی کبریائی کی نفی کرتا ہے، پھر ایک غلام کی طرح نہایت ادب کے ساتھ دنوں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے، آنکھیں بھی اس طرح جھکی ہوئی ہیں، جیسے ایک مجرم دربار شاہی میں نظر اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا، زبان پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تعریف کے کلمات ہیں، بھی کمرتک جھلتا ہے اور کبھی اپنے مالک کے سامنے اپنی جیبن نہامت کو زمین پر رکھ دیتا اور خاک آلو دکرتا ہے، جب جھلتا ہے تو زبان پر اللہ کی پرانی کاغذ کا نعرہ لگاتی ہے، اور جب اٹھتا ہے تو زبان اللہ کی پرانی کاغذ کا نعرہ لگاتی ہے، کبھی الجاء کرتا ہے، کبھی اپنی غلطیوں کی معانی مانگتا ہے، اس کے جسم کا کوئی حصہ آزاد نہیں، وہی کچھ کہتا ہے جو اللہ کے رسول نے کہنے کا حکم دیا، وہی سب کرتا ہے جس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی، اسی جگہ دیکھنا ہے جہاں نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ہوا کرتی تھی، غرض انسان کا پورا وجود خدا کے سامنے پچھ جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کسی مسلمان کے نماز چھوڑ دینے کا تصور ہی نہیں تھا، یہاں تک کہ جو لوگ اندر سے مسلمان نہیں تھے اور بعض فوائد کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے، وہ بھی پابندی سے نماز پڑھتے تھے کہ یہیں ان کا یہ نفاق ظاہر نہ ہو جائے؛ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ مسلمان مسجد تو خوبصورت سے خوبصورت بناتا ہے، اور اس میں آپس میں مقابلہ بھی ہوتا ہے؛ لیکن مسجدوں کی آبادی کی فکر نہیں کی جاتی بقول شاعر:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف جازی نہ رہے
جن لوگوں پر نماز فرض ہے، اگر وہ سب نماز کا اہتمام کریں تو پانچوں وقت ہر مسجد میں جمع کا منظر نظر آئے؛ لیکن صورت حال یہ ہے کہ اکثر

خودشی کے واقعات اور ذہنی و اعصابی امراض

مولانا سید محمد واضح رشیدی ندوی

ماہرین نفیات کا خیال ہے کہ ان ہی معاشروں میں خودشی کے واقعات زیادہ رونما ہوتے ہیں جہاں انسان اپنے سے نیچے والے کو نہیں اور والے کو دیکھتا ہے، جہاں وہ اپنی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے، دوسرے پر سبقت لے جانے کا خیال ہر وقت اس پر مسلط رہتا ہے اور اس کو سکون سے جیئے نہیں دیتا، یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک میں یہ واقعات زیادہ ہوتے ہیں جب کہ مشرقی ممالک میں یہ واقعات کم ہوتے ہیں۔ خودشی ہمیشہ ذہنی انتشار، عملی زندگی میں ناکامی، احساس کمتری، دل شکستی اور مایوسی کا نتیجہ ہوتی ہے اور ان احساسات کے حامل افراد کے اندر قوت ارادی باقی نہیں رہتی کہ اپنے مقاصد کی تیکمیل کے لیے کوئی نتیجہ جدوجہد کر سکیں، اسی لیے جہاں خودشی کے واقعات ہوتے ہیں وہاں دوسرے اخلاقی اور اجتماعی جرائم بھی زیادہ ہوتے ہیں، جو لوگ زندگی یا اپنی صلاحیت سے ما یوس نہیں ہوتے وہ اپنی روانارواخواہیات کو پورا کرنے کی نتیجہ را ہیں ڈھونڈتے ہیں اور دوسرے انسانوں کے حقوق چھین لیتے میں وہ ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ اخلاقی اور اجتماعی جرائم کا اڈہ بن جاتا ہے۔

ترقبی یافتہ اور متبدن ممالک کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی اگرچہ زیب و زینت کے سامان، تراش و خراش اور عیش و عشرت کے ذرائع سے مالا مال ہے؛ لیکن چین و سکون کی دنیا سے کوسوں دور ہے۔ وہاں کے باشندے ایک طرح کی گھٹن اور ذہنی کشمکش کے شکار ہیں۔ وہ اعصابی تو ازان کھو چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ ذہنی اور اعصابی امراض سے دوچار ہیں اور اس گھٹن سے نکلنے کے لیے اکثر خودشی کا سہارا لیتے ہیں، اس کے علاوہ اخلاقی جرائم، قتل و غارت گری اور دہشت پسندی کے روزافزوں و واقعات کا توذکرہ ہی کیا۔

☆☆☆

خدا ہی حافظ ہے۔

اس وقت جس طرح کرپشن بڑھتا جا رہا ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں جس طرح رشوت خوری اور کام چوری بڑھتی جا رہی ہے، ذمہ داری کا احساس ختم ہوتا جا رہا ہے اور انسان صرف اپنا فائدہ دیکھتا ہے اور یہ چیز بڑھ کر اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بیٹھ کو باپ کا پاس ہے نہ باپ کے اندر بیٹھ کی محبت ہے، اخلاق و روابط کو بھی بزنس بنادیا گیا ہے، آدمی اگر بزنس کر بولتا بھی ہے تو ڈر لگتا ہے کہ وہ شاید اس کی بھی فیض وصول کر لے گا، کوئی کسی کے ساتھ محبت و اخلاق سے پیش آتا ہے تو اس کو بھی کچھ نہ کچھ حصولیابی کی امید ہو جاتی ہے، Self System اس حد تک تجاوز کر گیا ہے کہ وہ خود غرضوں کی انہا کو پہنچ رہا ہے، یہ صرف اسی لیے ہے کہ علم اور اخلاق میں توازن نہیں رہا، شروع سے بچ کو تعلیم دی جاتی ہے تو اس کو خود غرضی سکھائی جاتی ہے، اخلاقی تعلیم تو پہلے لازم سمجھی جاتی تھی، اب برائے نام رہ گئی ہے اور اس کے لیے عملی تدابیر بالکل اختیار نہیں کی جاتیں، یہ علم و اخلاق کا عدم توازن ہے جس نے دنیا کو تباہی کے کنارے لا کر کھڑا کر دیا ہے، یہ ذمہ داری سب سے بڑھ کر مسلمانوں پر ہے کہ وہ دنیا کو اخلاق و محبت کا درس دیں اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیے ہوئے دین رحمت سے دنیا نے انسانیت کو روشناس کرائیں اور علم میں اخلاقی تعلیم کو اس طرح شیر و شکر کر دیں کہ وہ ایک خوبصورت گلدستہ بن کر سامنے آئے اور دنیا اس کی عطر پیز ہوا تو اس سے معطر ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

جدیدیم کا بگاڑ

مولانا بلال عبدالحی حسینی ندوی

رکھنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔

آج علم ایک بزنس بن کر رہ گیا ہے، انسان لاکھوں لاکھ روپیہ دے کر علم حاصل کرتا ہے اور فارغ ہو کر اسی کی وصول یابی میں پوری طرح لگ جاتا ہے اور اس میں وہ ہر طرح حدود کو پار کر گیا ہے، اگر اس نے کروڑوں روپیہ دے کر پڑھا ہے تو پہلے مرحلہ میں فارغ ہونے کے بعد اس کو وہ کروڑوں روپیے یاد آتے ہیں اور وہ ہر صورت میں اس کو سود بیان کے ساتھ واپس لینا چاہتا ہے، ایک دور تھا کہ ڈاکٹر دلسا دیتا تھا، آج ڈاکٹر کو دیے ہوئے پیسے واپس لینے ہیں، وہ مریض سے آپریشن کی میز پر سودا کرتا ہے اور اس کی جان سے کھیلتا ہے اور مسئلہ صرف ڈاکٹروں کا نہیں، ان کی مثال تو صرف اس لیے پیش کی گئی کہ وہ سب سے بڑھ کر انسانوں کے مسیحار ہے ہیں، لیکن آج معاملہ بالکل بر عکس ہے۔

علم و اخلاق کے عدم توازن نے دنیا کو جہنم کدھ بنا دیا ہے، وہ اپنے فائدے کے لیے نئے نئے ہتھ انڈے اختیار کرتا ہے، اور اس کے لیے جان لینا بھی بڑی بات نہیں رہ گئی، انسانوں کی دنیا میں جانوروں کا طریقہ آج رائج ہو رہا ہے، اور خود غرضی کا مزاج بنایا جا رہا ہے، جو انسانوں کو ہلاکت کے غار میں گرانے کے لیے تیار ہے، اگر لوگوں کا ذہن صحیح نہیں کیا گیا، اور ظلم و بربریت اور خود غرضی کا مزاج نہ بدلا گیا تو دنیا کا

آج علم، مکنا لو جی کے میدان میں بہت آگے بڑھ گیا، لیکن اخلاق کے جو ہر سے خالی ہو گیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے بجائے انسانی صفات رکھنے والوں کے جانوروں کی صفات

ارشاد و تذکیر

اعمال کی قبولیت میں نیت کی درستگی ضروری

مولانا محمد خالد غاز پوری ندوی

تمہارے ساتھ وہی ہوتا جو دوسروں کے ساتھ ہو گا اور انھیں بھی اوندھے منہ جہنم میں جبو نک دیا جائے گا۔

بظاہر تینوں کے اعمال نیک ہیں، اچھے اور درست ہیں لیکن رضاۓ الہی کی نیت نہ ہونے سے قبولیت کی دہلیز تک وہ اعمال نہیں پہنچ سکے اور نتیجہ خراب ہو گیا، اس طرح عمل کرنے میں رضاۓ الہی کا لحاظ کیا جائے لیکن درست طریقہ یعنی سنت کے مطابق وہ عمل نہ ہو تو وہ عمل بھی قابل قبول نہ ہو گا۔ [جامع ترمذی]

لہذا ہمیں اپنے اعمال میں ان دو باتوں کا خیال رکھنا چاہیے، اس میں اخلاص کی کار فرمائی ہو، اور نیت کی درستگی یعنی سنت کے مطابق ہو، اگر ایسا نہ ہو تو پڑا خطرہ ہے، عمل کے ساتھ نیت بھی اچھی ہوتی ہے اور نیت بری بھی ہوتی ہے لیکن اکثر اعمال ہمارے بے نیت ہوتے ہیں جو آخرت کے اعتبار سے اکارت جاتے ہیں، اس نے ہمیں ہر عمل میں اللہ کی رضا کی نیت کرنی جا ہیے، یہاں تک کہ کھانے پینے، ملاقات کرنے، بیوی سے مبادرت کرنے اور مریض کی عیادت کرنے، کسی کے کام آنے، مدد کرنے اور مشکلات کو حل کرنے میں اچھی نیت کر لینی چاہیے، اس سے ہر کام دین ہو جائے گا اور دنیا کے ساتھ دینی نافعیت بھی حاصل ہو جائے گی، اور اپنا کچھ الگ سے بھی نہیں جائے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھی نیت کی توفیق عطا فرمادیں۔

☆☆☆☆☆

انسان زندگی کا طرہ امتیاز اسکی نیت ہے، نیت میں اللہ رب العزت نے بڑی تاثیر رکھی ہے، ہر وہ عمل جو انسان کرتا ہے اس کا اجر و ثواب بھی ملے اور اللہ رب العزت کے یہاں اسے قبولیت بھی حاصل ہو، اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، اور انہی دو چیزوں کی وجہ سے ایک مسلمان کا عمل دوسروں کے عمل سے ممتاز ہو جاتا ہے:

۱- یہ کہ وہ عمل اللہ کی رضا کے لیے ہو۔

۲- یہ کہ وہ درست طریقہ پر ہو۔

یعنی سنت کے مطابق ہو، مثلاً نماز ہے، اللہ کے لیے پڑھی جائے اور درست طریقہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے رسول صلی اللہ وسلم سے ثابت ہے، اس طریقہ پر تمام شرائط کو ملاحظ رکھتے ہوئے پڑھی جائے، اس کو اخلاص اور صواب بھی کہتے ہیں اور اس پر اجر و ثواب کا دار و مدار بھی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "انما الأفعال بالنيات" یعنی اعمال کا مدار نیتوں پر ہے، عمل میں خود تاثیر نہیں، اس کی فعایلت مقاصد کے تابع نیت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

اس لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن تین لوگوں کو پہلے طلب کیا

محبت الہی

روحانیت کی باتیں

رنگ باتیں کریں اور باقتوں سے خوشبو آئے

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

کرنے کا راستہ ذکر الٰہی ہے اور صحبت ہے یعنی ان لوگوں کی صحبت جن کے دلوں میں صحبت الٰہی رائج ہو چکی ہو اور جن کا تزکیہ ہو چکا ہو، جب اللہ کی رضادل میں بیٹھ جائے گی تو انسان دین و دنیا کے ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے استحضار کے ساتھ کرنے لگے گا، اللہ تعالیٰ کے ہمہ وقت وھیان کی برکت سے اخلاص اور احسان کے مرتبہ تک وہ پہنچ جائے گا اور احسان وہی چیز ہے جس کی تعریف حدیث میں آئی ہے: اعبدوا اللہ کی ائمکم ترونه و ان لم تكن ترونه فانه يراكم یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو تو وہ تو تمہیں دیکھ رہا ہے۔ ایک صارخ معاشرہ کی تشکیل اس کی بغیر نہیں ہو سکتی ہے کہ معاشرہ میں خوف خدا پیدا کیا جائے اور خوف خدا پیدا کرنے کے لیے یہ حضوری کی کیفیت پیدا کی جاتی ہے یعنی اللہ حاضر اور ناظر ہے۔ اہل روحانیت کی حیثیت ایک معاملج کی ہے وہ نفس کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جسے کوئی حکیم حاذق میسر آجائے اور میسر نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ ذکر الٰہی کے ذریعہ اور دعاؤں کے اہتمام کے ذریعہ اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ اور نفل نمازوں کے ذریعہ اپنے علاج کی کوشش کرنی چاہیے۔ علاج کے طریقے جو آج کے زمانہ میں اہل روحانیت کے یہاں راجح ہیں، وہ خیر القرون میں موجود نہ تھے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے لوگوں کے دلوں کی اصلاح ہو جایا کرتی تھی، خیر القرون کے بعد اصلاح نفس کا یہ طریقہ باتی نہیں رہا تو جس طرح عہد رسالت مآب میں اور دور صحابہ میں تعلیم و اصلاح کا سارا کام صرف صحبت سے حاصل ہو جاتا تھا بعد میں یہ چیز باتی نہیں

روحانیت درحقیقت احسان کی کیفیت کو حاصل کرنے کا نام ہے، اس سے ایک قسم کی نورانیت دل میں پیدا ہو جاتی ہے، تمام عبادات میں اور نیکی کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی معیت کا احسان ہوتا ہے، حدیث ہے: ”اعبدوا اللہ کانک تراہ“ یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، انسان تمام مشغولیتوں میں اللہ کو یاد کرتا رہے یہ کیفیت مطلوب اور مقصود ہے، حال یہ ہونا چاہیے کہ انسان اپنی زبان حال سے یہ کہ سکے: گو میں رہا رہیں ستم ہائے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا لیکن یہ مقام و مرتبہ ان لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جن کو اپنی روحانی اور اخلاقی تربیت کی فکر ہوتی ہے، اور جن کوسرے سے فکر نہیں ہوتی ہے اور مرتبہ احسان کی کوئی اہمیت ان کی نظر میں نہیں ہوتی ہے، پھر وہ اس بخت بیدار سے محروم ہوتے ہیں۔ مرتبہ احسان تک پہنچنے کا مطلب اللہ تعالیٰ کا دامی استحضار ہے اور اس کام کے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا ان لوگوں کی صحبت اختیار کرنی پڑتی ہے جو کو استحضار نصیب ہوتا ہے، قرآن و حدیث میں صحبت اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، کہا گیا ہے: ”کون نو امع الصادقین“ یعنی اہل صدق و صفا کی صحبت اختیار کرو۔ اہل روحانیت کا کہنا ہے کہ اللہ کی صحبت اور

اس کے پاس نہ ذکر واذ کار کی ڈھال ہے نہ صحبت کی سپراور نہ نفل عبادات کا جوش اور نہ کسی صالح انسان کی صحبت جو اس کی حفاظت کرے اور اسے صالح اور کندن بنادے۔ اقبال نے لکھا ہے کہ اسلام کے اولین دور کے صوفی زہاد تھے، دنیا کی حرص اور طمع ان کے دل سے نکل گئی تھی، روحانیت کا مطلب دنیا کی محبت کو دل سے نکالنا ہے اور اس کی تو میں علم نہیں ہے عشق ہے یعنی ”محبت الہی“ جو کا ذریعہ علم نہیں ہے اختیار کرنے کی محبت سے اور اللہ ذکر کی کثرت سے اور صالحین کی محبت سے اور اللہ کی تو میں سے ملتی ہے، اقبال نے کہا ہے: ”مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم خلیل بے رطب“ صحبت کی ضرورت کو اقبال نے اس طرح بیان کیا ہے:

می نہ روید تھم دل از آب و گل
بے نگاہے از خداوندان دل

☆☆☆☆☆

أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فَئَةً فَاثْبِتوْا وَإِذْ كَرَوْا اللَّهَ كَثِيرًا“ اللَّهُكَذَرْكَرَكَ مَطْلَبُهُ
خالقُكَنَّاتُكَمُعِيْتُأَوْمَدَحَاصِلُكَرَنَاوَرَپَھْرَ
اسَگَرُوْهُسَزِيَادَهُ طَاقَتُرَكُونُ ہُوَسَكَتَا ہے جَسَّهُ خَدَا
کَمَدَأَوْرَمَعِيْتُحَاصِلُهُ ہُوَجَائَهُ۔ اِسَلامَ نَے
صَرْفَ ذَكَرَواذَکَارَپَرَزُورَنَہیں دیا ہے بلکہ وسائلِ
اخْتِیَارَکَرَنے پَرَبَھِی زُورِ دیا ہے۔ اپنی اصلاح کے
لَیْلَهُ رَوْحَانِیَتَکَمَدِیکَکَثْرَتَذَکَرَکَ
سَاتَھُ مَحْبَتَضَرُورِیَ ہے۔ مَرِیدَ ہونے کا مَقْدِدَبَھِی
تَوْبَہُ اور مَحْبَتَ اخْتِیَارَکَرَنَا ہے مَحْبَتُ ہی اصلِ چیز ہے
وَرَنَهُ صَرْفُ مَرِیدَ ہونے سے مَقْدِدَحَاصِلُنَہیں ہوتا
ہے۔ اگر ذکر بھی نہ ہو اور اہل اللہ کی اور حق کے
رَاسِتَہُ پَرَچَلَنے والے علماء کی مَحْبَتَ بَھِی نہ ہو تو زیادہ
اندیشہ ہے کہ کوئی شر، کسی روحانی بیماری، یا اخلاقی
کرونا کا ایس اس کو اپنی گرفت میں لے گا کیونکہ

رہی تو پھر تعلیم کے لیے تعلیم گاہیں بنیں، کتابیں شائع کی گئیں، اسی طرح قلب کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے اہل رشد وہدایت نے اپنے تربیات کی روشنی میں ذکر واذ کار کا طریقہ لوگوں کو بتانا شروع کیا اور صحبت پر زور دیا بلکہ اسی طرح جس طرح معالج اور حکیم اپنے تربیات کی روشنی میں مریضوں کے لیے نسخہ تجویز کرتے ہیں۔

اہل رشد وہدایت نے یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اتنی طاقتور ہوتی تھی اور اس میں اتنی شدت کی تاثیر ہوتی تھی کہ ایمان قبول کر لینے کی بعد جس کو بھی یہ صحبت نصیب ہو جاتی تھی، اس کی کاپلٹ جاتی تھی، وہ مس خام سے کندن ہو جاتا تھا اس کا ایمان بخت ہو جاتا تھا اس کے دل میں اللہ سے ملاقات کا شوق اور عبادت کا ذوق پیدا ہو جاتا تھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ صحبت سے صحابہ کرام میں بھی یہ تاثیر تھی۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا خیر القرون قرنی ثم الدین یلو نہم ثم الدین یلو نہم یعنی سب سے ہتر زمانہ ہمارا ہے، اس کے بعد ان لوگوں کا جو اس زمانہ کے بعد میں آئیں اور پھر ان کا جو اس کے بعد میں آئیں۔ اب چونکہ وہ زمانہ موجود نہیں ہے اس لیے اصلاح نفس کے لیے قلب کے معیوبین نے ذکر کے ساتھ صالحین کی صحبت کا نسخہ تجویز کیا ہے، ذکر ایک تیر بہدف علاج ہے قرآن اور حدیث میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے ایک جگہ ہے کہ اگر دشمنوں کے جھٹے سے تمہارا سابقہ پیش آجائے اور تمہارے دشمن اور تمہارے مخالف بہت زیادہ ہوں تو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور ثابت قدم رہو (یعنی اسلام سے تمہارے قدم متزلزل نہ ہوں اور نہ فرار کی کوشش کرو)، قرآن میں ہے: ”یا

مذہبی و ملیٰ ذمہ دار یوں کا پورا خیال

مولانا جعفر مسعودی ندوی

ہندوستان جیسے ملکوں میں مدرسوں کی اہمیت ہمیشہ رہے گی، یہ ملک قوموں اور تہذیبوں کا مدفن ہے، یہاں جو قوم آئی وہ ضم ہو گئی، جو تہذیب آئی وہ مٹ گئی، اگر مدرسوں کا یہ نظام ہمارے بڑوں نے نہ چلایا ہوتا تو شاید اب تک ہم بھی اپنی شناخت کھو چکے ہوئے، اور اپنی خصوصیات اور تشتہات سے دستبردار ہو کر یہاں کی تہذیب و ثقافت اپنا چکے ہوئے، شاید یہی وجہ ہے کہ یہ مدارس ارباب اقتدار کی نظرؤں میں کائنات کرچھے ہیں، ہمیں ہمدردی کے پردوں میں چھپے ان کے ارادوں کو بھی سمجھنا چاہیے، لیکن وقت کے تقاضوں سے آنکھیں موندھ لینا اور موجودہ دور کی ترقیات سے کچھ فائدہ نہ اٹھانا کوئی داشتمانی نہیں، چنانچہ ہمیں اپنے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اور اپنی مذہبی و ملیٰ ذمہ دار یوں کا پورا خیال رکھتے ہوئے تبدیلیوں پر غور کرنا چاہیے، ورنہ خطرہ اس بات کا ہے کہ مدارس اپنی افادیت کھو بیٹھیں، اور اس کے فارغین اپنی ضرورت تو پوری کرنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن اپنے مذہب اور اپنی قوم کی ضروریات پوری کرنے کے لائق نہ رہیں۔

☆☆☆

ضرورت مندوں کی حاجتِ روائی

مولانا سراج الدین ندوی

نے ارشاد فرمایا: ”جو شخص اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہتا ہے اور جو کوئی مسلمان کی مصیبت کو دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کی مصیتوں میں سے کسی بھی مصیبت کو اس سے دور کرے گا“۔ [بخاری و مسلم]

اللہ کے رسول نے نہ صرف مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ وہ غریبوں اور ضرورت مندوں کے کام آئیں بلکہ خود اس پر سب سے بڑھ کر عمل کیا۔ سیرت میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔

جب آپ دنیا سے رخصت ہو گئے تو حضرت ابو بکر نے دیکھا کہ ایک بچی رورہی ہے۔ آپ نے پوچھا: ”بیٹی! کیوں رورہی ہو؟“ بچی نے جواب دیا: ”اللہ کے رسول تو اس دنیا سے رخصت ہو گئے اب ہماری بکری کوں دوہا کرے گا؟“ حضرت ابو بکر نے فرمایا: ”رو و مت! تمہاری بکریاں میں دوہا کروں گا۔“

صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم بھی ضرورت

مندوں کی تلاش میں رہتے اور ان کی خدمت کرتے، ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے۔

ایک بار حضرت عمرؓ معلوم ہوا کہ ایک بڑھیا بے سہارا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو خدمتِ خلق کے موقع کی تلاش میں رہتے ہی تھے۔ روزانہ علی الصباح بڑھیا کے گھر جاتے، جھاڑو لگاتے، پانی

بھر کر کھدیتے۔ ضرورت کی چیزیں رکھ آتے۔ چند دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احساس ہوا کہ کوئی شخص مجھ سے پہلے ہی آ کر بڑھیا کے تمام کام کر جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پتہ لگانے کے لیے ایسے وقت بڑھیا کے گھر میں چھپ کر بیٹھ گئے جب کہ کافی رات باقی تھی، ابھی ہر طرف سننا تھا اور رات کی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ ایک شخص آیا۔ اس نے بڑھیا کے گھر میں جھاڑو لگاتی،

ہی اسے برا بھلا کہنے اور نہ ڈانٹ ڈپٹ کیجیے۔ قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے: ”وَأَمَا الْسَّائِلُ فَلَا تَنْهِرْ“ [التحمیل: ۱۰] (ضرورت مندوں کی ضرورت کے بارے میں سوال کرے تو اسے جھوڑ کو مت)۔ شریف آدمی نہایت مجبوری میں اپنی ضرورت کا اظہار دوسروں کے سامنے کرتا ہے۔ یاد رکھنے کے آج اگر کوئی ضرورت مندوں لا چاہرے تو کل وہ خوش حال بن سکتا ہے اور جو آج خوش حال ہے وہ کل مغلس و گدا بن سکتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ خدا سے ڈرتے رہیے۔ ضرورت مندوں، پسمندہ لوگوں اور مصیبت زدہ افراد کے دکھ درد میں ان کے کام آتے رہیے۔

اللہ کی نظر میں مجبور و بے کس اور مصیبت زدہ مسکین کی بڑی وقعت ہے۔ ان کی مدد کر کے اپنے خدا کی خوشنودی اور اس کے حرم و کرم کا مستحق بنئے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ یا ان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا، تو دیکھا کہ داخل ہونے والے عموماً مساکین ہیں۔ [مسلم]

کسی پریشان حال، مجبور اور ضرورت مندوں کی مدد کرنے کا والد نے اپنی مدد کرنے کے برایہ قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے: ”اُگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا“۔ [سورہ محمد: ۷] جو شخص غریبوں، پسمندہ لوگوں اور ضرورت مندوں کے کام آتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے کام آتا ہے۔ ان کے بگڑے ہوئے کام بناتا ہے۔ ان کی پریشانیاں دور کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراز کرے تو اس کو حفارت سے نہ دیکھئے اور نہ کوئی اچھی بات کہہ کر اجر و ثواب حاصل کیجیے۔

کوئی بھی شخص اگر آپ کے سامنے دست سوال دراز کرے تو اس کو حفارت سے نہ دیکھئے اور نہ

چلتے وقت عورت نے کہا: ”خلیفہ بنے کے لاائق تم ہونہ کے عمر“۔ حضرت عمرؓ بولے: ”میں! معاف کرنا، عمر میں ہی ہوں، مجھ سے واقعی غلطی ہوئی کہاب تک تمہاری خبر نہیں۔“

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المال سے عورت اور بچوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ بہر حال غریب و پریشان حال آدمی سے تعلق قائم کیجئے۔ اس کے دکھ درد بانٹئے، اس سے یارانہ جوڑیے۔ اس کے گھر آئیے جائیے اور اسے پہلے گھر بلایے۔ اس کے ساتھ کھائیے اور اسے اپنے ساتھ کھلایے تاکہ خدا کی توفیق آپ کے شامل حال ہو سکے۔

حضرت ابو درداءؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سن ہے کہ مجھے اپنے غریب اور کمزور لوگوں میں تلاش کرو کیوں کہ تمہارے کمزور غریب لوگوں ہی کی وجہ سے تمہیں روزی دی جاتی ہے اور (دشمنوں کے مقابلہ میں) تمہاری مدد کی جاتی ہے۔ [ترمذی]

کسی شخص کی ضرورت پوری کرنا بڑی نیکی کا کام ہے۔ جس کام کو آپ معمولی سمجھتے ہیں اس کام کو کرنا بھی خدا کے نزدیک صدقہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”بھولے بھکلے اور کسی ناپینا کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔“ [ترمذی]

آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ تمہارا اپنے بھائی کے سامنے مسکراتا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ تمہارا نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے، ایسی جگہ راستہ بتانا جہاں لوگ راستہ بھول جاتے ہوں صدقہ ہے، جس شخص کی بصارت خراب ہواں کی مدد کرنا تمہارے لیے صدقہ ہے، اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی دینا تمہارے لیے صدقہ ہے۔ [ترمذی]

☆☆☆☆☆

جواب دیا: ”بچوں کو بہلانے کے لیے صرف پانی پڑھادیا ہے، چاہتی ہوں کہ کسی طرح انہیں نیند آجائے اور یہ سوجائیں۔“

حضرت عمرؓ نے دیکھا تو واقعی ہانڈی میں صرف پانی اور کچھ نکریاں تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ بچے بھوک سے بے حال ہو رہے تھے۔ ان کی تسلی کے لیے عورت نے چوہلہا جلا کر ہانڈی میں پانی اور نکریاں ڈال دی تھیں تاکہ بچے سمجھیں کہ کھانا پک رہا ہے، کچھ دیر میں نیند آجائے گی اور یہ سوجائیں گے پھر کسی نہ کسی طرح رات کث جائے گی۔ عورت بیچاری یہو تھی۔ گھر میں کمانے والا کوئی نہ تھا اور نہ ہی اب تک وظیفہ بیت المال سے مقرر ہوا تھا۔

درود عجم کی یہ دیستان سن کر حضرت عمرؓ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپؐ نے درد بھرے لبھ میں کہا: ”ماہی! خلیفہ کوئم نے اطلاع کیوں نہ دی؟“ عورت بولی: ”میرے اور عمرؓ کے درمیان خدا فیصلہ کرے گا۔ میں عورت ذات کس سے کہتی پھر دوں۔ اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی رعایا کی خبر گیری کرے۔ اگر وہ اپنا فرض پورا نہیں کر سکتا تھا تو وہ خلیفہ کیوں ہو گیا؟“

حضرت عمرؓ پر جیسے بھلی گرگئی ہو۔ یہ سن کر وہ فوراً بھاگے ہوئے بیت المال پہنچے۔ آن، گوشت، گھی اور سکھوریں اپنی پیٹھ پر لاد کر چلنے لگے تو آپؐ کے غلام نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کیوں تکلیف کر رہے ہیں؟ لایے میں پکنچا دوں۔“

حضرت عمرؓ نے کہا: ”نہیں! جب قیامت میں تم میرا بوجھ نہیں اٹھ سکتے تو آج میں تم سے کیوں اٹھاؤں۔“

یہ کہہ کر آپ سارا سامان خود لاد کر اس عورت کے پاس پہنچے۔ خود بیٹھ کر آگ پھوکی۔ کھانا تیار کرنے پر بچوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ بچے بھی خوشی سو گئے۔

پانی بھرا اور ضرورت کا سامان رکھ کر جانے لگا۔

حضرت عمرؓ تاریکی کی وجہ سے پچان نہ پائے۔ جب دروازہ سے نکلے تو آگے بڑھ کر دامن پکڑ لیا دیکھا تو خلیفہ وقت حضرت ابو بکرؓ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تو کسی یتیم اور مسکین کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب کھانے کا وقت ہوتا تو مدینہ کی گلیوں میں نکل پڑتے تاکہ کسی مسکین، یتیم یا ضرورت مند کو تلاش کر کے اپنے ساتھ لے لیں اور اس کے ساتھ کھانا کھائیں۔

خلیفہ ہائی حضرت عمرؓ کے تعلق سے تواتر تھے اپنے اندر ایسے بہت سے واقعات محفوظ کر رکھے ہیں۔ آپؐ اکثر راتوں کو مدینہ سے باہر نکل پڑتے،

دور دراز کی آبادیوں اور صحراء و ریگستان میں گشت کرتے تاکہ لوگوں کے حالات معلوم کریں، لوگوں کی مصیبت و تکلیف اور ضرورت و پریشانی جاننے کی کوشش کرتے اور پھر ان کی ضرورتیں رفع فرماتے۔ ان کا صرف ایک واقعہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

”ایک دن کی بات ہے۔ آپؐ گشت لگانے نکل۔ گھومتے پھرتے دور نکل گئے۔ واپسی میں ایک جھونپڑی پر نظر پڑی۔ دیکھا کہ ایک عورت چوہلہا جلانے پڑی ہے۔ چوہلے پہ ہانڈی چڑھی ہوئی ہے اور اس کے بچے رورہے ہیں۔ عورت انہیں بھلا رہی ہے مگر وہ کسی طرح خاموش نہیں ہوتے۔ بچوں کو روتا بلکہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل بھر آیا، قریب گئے۔ دریک دیکھتے رہے مگر ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ما جرا کیا ہے؟ آخ ر عورت کے پاس جا کر بچوں کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ بچے بھوک کے مارے بلکہ رہے ہیں۔

”نہیں کھانا کیوں نہیں دیتیں؟“ حضرت عمرؓ نے پوچھا: ”میں اتنی دیر سے کھڑا دیکھ رہا ہوں، پاس پہنچے خود بیٹھ کر آگ پھوکی۔ کھانا تیار کرنے پر بچوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ بچے بھی خوشی سو گئے۔“ ہانڈی میں کچھ ہے ہی نہیں۔“ عورت نے

تعارف و تبصرہ



محمد اصطفاء الحسن کا نذر حلوی ندوی

مضامین کا اسلوب نگارش رکھتی ہیں، تاہم جستہ جستہ ان میں جہاں جہاں موقعہ و ضرورت پیش آتی ہے، وہ بہترین خاکہ نگاری کا نمونہ بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ اور اگر زبان کی بات کریں تو ان کی زبان خاص لکھنؤی ذوق کی حامل ہے، جسے پڑھ کر قاری مخطوط ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کے مضامین نے جن شخصیات کو اپنا موضوع بنایا ہے، ان میں علماء و دانشوران بھی ہیں، اور اساتذہ و اقرباء بھی۔ پھر خاص علماء میں قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا محبت اللہ لاری ندوی[ؒ] سابق مہتمم دارالعلوم ندوہ العلماء، مولانا سید محمد واضح رشید حسني ندوی[ؒ] سابق معتمد تعلیم ندوہ العلماء، مولانا مفتقی سعید احمد پالپوری[ؒ] سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، ارباب علم و دانش میں پروفیسر عبد الحکیم فاروقی[ؒ] سابق صدر شعبۃ مطالعات اسلامیہ، جامعہ ہمدرودہ بیلی، عظیم اسلامی صحافی وادیب حفظہ نعمانی مرحوم، معروف شاعر، ناقد اور ناظم مشاعرہ ملک زادہ منظور احمد مرحوم، خواجہ یونس مرحوم بانی ارم ماؤل اسکول، حسین امین مرحوم قوی آواز لکھنؤ، اور منفرد شاعر و ناظم مشاعرہ انور جلال پوری کے نام زیادہ معروف اور نمایاں ہیں۔

ان مضامین کے مطالعہ سے جہاں ایک طرف قاری کے ادبی ذوق کی تسلیم ہوتی ہے، وہیں ان شخصیات سے جواب تاریخ کا حصہ بن چکی ہیں، ڈھنی قربت، قلبی محبت اور دینی و فکری عقیدت کارشنہ بھی قائم ہوتا ہے۔

مطالعہ کے خواجہ افراد کے لیے یہ بہترین تخفہ مکتبہ البدر کا کوری سے شائع ہو کر مستیاب ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۲۵۰۱۰۳۴۶

☆☆☆☆☆

ہوتے ہیں، لہذا مصنف نے پوری وضاحت کے ساتھ قضاء عمری کے طریقہ اور مسئلہ کو بیان کر دیا ہے۔ ان دونوں موضوعات کے بعد مصنف نے مردوں کی نماز کے پانچ نیادی فرق بھی بیان کیے ہیں، جن سے خواتین کو اپنی نماز کی بیعت، شرعی نکتہ نظر سے بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔ امید ہے اردو داں طبقہ اس کتاب پر سے فائدہ اٹھائے گا۔

انڈیا کو نسل آف فتوی اینڈ ریسرچ ٹرست، بینگلور اور جامعہ فاطمہ للبنات مظفر پور بہارے اشاعت کا اہتمام کیا ہے۔ راقم کی نظر میں آسانی کے لیے اس کو ”مشکل نماز“ کا جلی عنوان بطور پہچان دیا جاسکتا ہے۔

رابطہ کے لیے: ۹۳۳۲۵۵۸۳۲۲

نام کتاب: وہ اکثر یاد آتے ہیں

ماليف: عبد العلی فاروقی

”وہ اکثر یاد آتے ہیں“ مختلف شخصیات پر مضامین کے مجموعہ سے عبارت ہے۔ قلم مولانا عبد العلی فاروقی مدظلہ کا ہے، جو نہ صرف خانوادہ فاروقی کا کوری کے فرزندار جنمد ہیں؛ بلکہ ایک معروف خطیب، دلفریب انشاء پروداز اور ماہنامہ ”البدر“ کے مدیر بھی ہیں۔

ان مضامین میں مولانا موصوف نے ان شخصیات کو موضوع خن بنایا ہے جو ان کے دل کے بہت قریب ہیں، اور ان کے مشاق قلم نے اس قبلی تعلق کو لنسین انداز میں صفحہ قرطاس پر اس طرح پیش کر دیا ہے کہ قاری ان کے رشتہ و وابستگی کو پورے طور پر محسوس کر لیتا ہے۔ مولانا موصوف کی یہ تحریریں گرچہ عام طور پر تاثراتی

تالیف: بدیع الزمال ندوی فاسمنی ایک کتاب پر بدست مطالعہ ہے، جس میں نماز سے متعلق مختلف عنادین پیش کیے گئے ہیں، اور ان کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلا حصہ تجد، اشراق، چاشت، اوایں اور صلوٰۃ ایسخ کے اوقات، رکعات اور فضائل سے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ قضاء عمری کی حقیقت اور شرعی حیثیت کو بیان کرتا ہے، جب کہ تیسرا حصہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق کی وضاحت کرتا ہے۔ اس کتاب پر کوئی مختصر اور جامع نام تجویز نہیں کیا گیا ہے۔ رقم کی نظر میں آسانی کے لیے اس کو ”مشکل نماز“ کا جلی عنوان بطور پہچان دیا جاسکتا ہے۔

مولانا بدیع الزمال ندوی قائی دینی موضوعات کے ایک کہہ مشق مصنف ہیں؛ دسیوں مفید اور موثر کتابیں ان کی جانب سے سامنے آچکی ہیں۔ ان کی یہ تصنیف بھی اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت خوب ہے، کہ انہوں نے اس میں نماز کو موضوع بنایا کہ اس کے کئی اہم پہلوں کو اجاگر کرنے کی سی جیل کی ہے۔

فرائض میں کوتاہی دراصل فعل نمازوں سے چشم پوشی اور بے رغبی کا نتیجہ ہے، اور حقیقت میں نوافل، فرائض کی کمی اور نقش کو پورا کرنے کے لیے شریعت مطہرہ میں رکھی گئی ہیں۔ نوافل میں ان کا اہتمام زیادہ بہتر ہے، جن کا روایتوں میں کوئی سراغ یا شریعت میں کوئی اصل ملتی ہو۔ اسی طرح قضاء عمری کے طریقہ کے سلسلہ میں بہت سے لوگ ناداقیت کی وجہ سے غلطی یا وسوسہ کا شکار

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اخلاق حسنہ

عبدالحکیم حسنی ندوی

چھیڑ دیتی تھی، وہ تو محض آپ کی تعلیمات سے متاثر ہوا اور آپ کے اخلاق کا عملی نمونہ دیکھ کر آپ میں ایسے شیر و شکر ہو گئے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، اس کو سمجھنے کے لیے مواعظ کا باب پڑھ لینا کافی ہے۔ اصحاب رسول ابتداء اسلام میں بڑے صبر آزم مراحل سے گزارے گئے کیونکہ ابتداء اسلام میں باری تعالیٰ کا حکم تھا۔ اپنے ہاتھ روکے رکھو، جوابی کارروائی نہ کرو اور نماز قائم کرو [النساء: ۷۷]۔ حضرت عمر بن یاسر اور ان کی والدہ حضرت سمیہ مسلمان ہوئیں، بخوبی ان کو باہر لاتے اور مکہ کی سخت گرمی دیتے ہوئے صحراء میں طرح طرح کی اذیتیں پھوپھاتے۔ حضرت بلاں جب اسلام میں داخل کر لڑکوں امیہ بن خلف ان کی گردان میں رسی ڈال کر لڑکوں کے ہاتھ میں دے دیا کرتا، وہ آپ کو مکہ کی پہاڑیوں میں پیٹھی ہوئی ریت پران کوٹھا دیا جاتا اور گرم پھر ان کے سینہ پر رکھ دیے جاتے، پھر بھی آپ کی زبان مبارک پر احمد أحد، کی صدا جاری رہتی۔ حضرت خباب بن ارت کے سر کے بال کھینچ جاتے، گردن مرزوی جاتی، بارہا آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا۔ حضرت عثمان بن عفان کے چچا کو جب ان کے اسلام لانے کی خبر ہوئی تو انہیں کھجور میں باندھ دیتا اور نیچے سے دھواں دیا کرتا تھا۔ حضرت مصعب بن عیسر کو ان کی والدہ نے اسلام لانے کی وجہ سے گھر سے نکال دیا تھا۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو قریش گائے، اوٹ کے چڑیے میں پیٹ کر دھوپ میں پھینک دیتے تھے۔ بعض کو لو ہے کی زرہ پہنا کر جلتے ہوئے پھر وہ لٹا دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سب کو

فرمائی۔ طائف کے سفر میں آپ کو جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا، وہ ناقابل بیان ہیں، پھر بھی آپ کی زبان مبارک پران کے لیے نرم رو یہ جملے تھے، قصہ کو بھلا نا اور ضبط کرنا بڑی اعلیٰ صفت ہے جو برسوں کی ریاضت کے بعد کسی کو حاصل ہوتی ہے، اس کے فضائل بیان کر دینا تو آسان ہے مگر اس پر عمل کرنا بڑا مشکل ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر ایسی اعلیٰ صفت کوٹ کوٹ کر بھی ہوئی تھی، ایک جگہ ارشاد فرمایا، ترجمہ: ”زمی جس چیز میں ہوتی ہے اسے لکھا رہ دیتی ہے اور جس چیز سے زمی کو نکال دیا جائے وہ بد نما ہو جاتی ہے۔“ اسی زمی اور محبت نے آپ کی ذات کو مثل آنکتاب و مہتاب بنا دیا تھا جس کی روشنی اپنوں اور غیروں سب کے لیے تھی، جس کے دروازے سب کے لیے یکساں کھلے ہوئے تھے جس کا فیض ہر ایک کے لیے عام تھا، آپ کے اخلاق حسنہ ہی سے اسلام پھیلا، ایمان والوں کی تعداد میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا رہا، کوئی کلام الہی کوں کر تو کوئی فرق مٹ جاتا ہے۔ آپ کو معلم اخلاق اور رہبر انسانیت بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ترجمہ: ”امے محمد ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔“ [الانبیاء: ۷۰] ارشاد نبوی ہے، ترجمہ: ”مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔“ دوسرا جگہ ارشاد فرمایا، ترجمہ: ”میری تربیت اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور کیا ہی خوب

اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: آپ اخلاق میں قرآن کا عملی نمونہ تھے، آپ کی روشن تعلیمات حسن اخلاق کا حسین پیکر ہیں، آپ نے فرمایا: جوڑوان کو جو تم سے قطع تعلق کریں، ان کو دو جو تم کو محروم رکھیں، ان لوگوں کو معاف کر دو جو تم پر ظلم کریں [الجامع الصغير: ۱۲۸۱]، یہ صفات آپ تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ آپ کی روشن تعلیمات اور آپ کی بابرکت صحبت کے نتیجہ میں صحابہ کرام کے اندر بھی یہ صفات منتقل ہوئیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ: ”تمہارے لیے رسول کی ذات ایک نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہو اور ذکر کرتا ہو۔“ کیونکہ آپ کی تربیت بذات خود اللہ تعالیٰ نے کی اور آپ کے صحابہ کی تربیت آپ کے ہاتھوں فرمائی، اس لیے صحابہ بھی ہمارے لیے اسوہ و مقتدی ہیں، انہی کے راستے سے ہمیں زندگی گزارنے کا سیقہ ملا۔

یہ ہیں نبوی زندگی کے چند نمونے، کیا ان میں سے کوئی نمونہ ہماری زندگی میں ہے؟ کیا اس پر عمل ہو رہا ہے؟ نہ ہمارے پاس نبوی اخلاق ہیں، نہ ہمارے پاس وہ ایمانی طاقت ہے جو صحابہ کرام کے اندر تھی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم پلٹ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور اس کو عملی زندگی میں اپنانے کی کوشش کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی ہمارے لیے ایک مکمل نمونہ ہے، اس لیے کہ ہدایت آپ کی ابتداء کے ساتھ مشروط کردی گئی ہے: آپ کے دنبان مبارک شہید کیے گئے اور آپ کی نسبت علیہ وسلم کی پیروی کر دتا کہ تم ہدایت پاجاؤ۔

☆☆☆☆☆

نہیں جانتے۔“ جبکہ فتح مکہ کے روز آپ کو مکمل غلبہ اور اقتدار حاصل تھا، چاہتے تو دشمنوں سے انتقام لے لیتے کہ جنہوں نے آپ کو اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی لیکن ارشاد نبوی ہوتا ہے، ترجمہ: ”جاؤ تم سب آزاد ہو، تمہارا کوئی موآخذہ نہیں۔“

بُرداشت کرتے رہے، اسلام کے لیے انہیں کن کن مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اگر اسلام کا دامن ہاتھ سے نہ چھنا، تکلیف پر صبر کرتے رہے مگر پھر بھی اللہ سے شکوہ نہ کیا۔ صابر و شاکرہ کر زندگی گزاری۔

یہ ایسے واقعات ہیں جن سے دل دہل جائے اور ایسے بھی واقعات ہیں جنہیں پڑھ کر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں سہولیات فراہم ہوتی ہیں، اور جذبات ابھرتے ہیں، انسان کا تمیز مردہ نہیں ہوتا، جب آپ کے اصحاب کو سخت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو ہجرت کی اجازت دے دی گئی، حضرت مصعب بن عمیرؓ کی دعوت کے نتیجے میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہو گئی، انہوں نے آپ کو مدینہ آنے کی دعوت دی، آپ نے صحابہ کرام کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی، مدینہ آتے وقت صحابہ کرام بڑے ہی صبر آزم احرل سے گزنا پڑا، البتہ آنے کے بعد عبادات و تجارت اور روزمرہ کی ضروریات میں کوئی دشواری نہ رہی، یہاں اجتماعی معاشرہ کی تشكیل وجود میں آئی، اور احکام ربی کا نفاذ ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے مشرکوں و کافروں سے قفال کی اجازت دے دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ترجمہ: ”اور ان سے جنگ کروتا کہ زمین پر فتنہ و فساد نہ رہے اور خدائی کا دین ہو،“ [انفال: ۳۹] مکہ کی ۱۳۰ ریسالہ مدت کی زندگی صبر و بُرداشت اور علم و عضو کی اعلیٰ مثال ہے، ایک طرف طائف کے واقعہ کا تصویر بیجی، دوسری طرف غزوہ واحد میں آپ کے دنبان مبارک شہید کیے گئے اور آپ کی زبان مبارک سے صرف یہ الفاظ نکلتے ہیں، ترجمہ: ”اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، یہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے آپ کے ہیں، کیا متعدد دنیا اس کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

بحث و نظر

عظمیم محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف

محمد مشیر راشدندوی

اس لیے ان عظیم صفات اور غیر معمولی کمالات پروان چڑھنے میں آپ کے گھر کا خالص اسلامی ماحول کا بڑا اثر و سوچ تھا، چنانچہ ابتدائی دور سے ہی اسلامی آنکھوں میں پروان چڑھے، چونکہ آپ کے والد نے آپ کی پروش کی تھی، اور آپ کے والد محترم نے بچپن میں ہی قرآن پاک پڑھا دیا تھا، اور پھر آپ نے سن ۱۹۷۲ء میں پرائمری اسکول میں داخلہ لیا، اور ۱۹۵۳ء میں مزید علمی تعلیم کی کو سیراب کرنے کے لیے عمرہ تعلیم کے ساتھ گرجویشن کیا، اور یہیں پرسنیں کیا بلکہ علمی سرچشمہ سے مزید پیاس بجھانے کے لیے یونیورسٹی آف بغداد میں آرٹ کی فیکٹری میں شعبہ تاریخ میں داخلہ لیا، اور ۱۹۶۲ء میں گرجویشن کیا، اور آپ نے چار سال تک حکماء میں پہلی پوزیشن حاصل کی مزید آپ کو عراقی اکیڈمی الیوارڈ سے نوازا گیا۔

اس تعلیمی مدت میں آپ نے عراقی محققین کی ایک بڑی تعداد کے سامنے زانوئے تلمذ تھے کیا، جن میں چند مشہور یہ ہیں:- آپ کے پچھا (ڈاکٹر ناجی معروف) جو عراق کے ہاشمی دور کے ممتاز افراد میں سے تھے۔ ڈاکٹر عبدالعزیز الدوری، جن کو تاریخی خدمات کے باعث شاہ فیصل الیوارڈ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر صالح احمد ہیں جن کی شفقوں و عنایتوں نے موصوف کی شخصیت کو مرچ حلالق بنادیا ہے۔

اعلنی تعلیمیں

اور ۱۹۶۲ء میں آپ نے بغداد یونیورسٹی میں شعبہ تاریخ و آثار قدیمہ میں ماسٹر اسٹڈی میں شمولیت اختیار کی، اور پروفیسر ڈاکٹر جعفر حسین نصباک کی نگرانی میں حافظہ کی الدین المنذری کی کتاب التکملة لوفیات النقلة، کا انتخاب کیا۔

اور پھر اسی دوران میں مشہور عالم دین ڈاکٹر مصطفیٰ جواد سے مضبوط تعلق قائم کر لیا اور جامعہ

عراق صدیوں سے علوم و فنون، ادب و ثقافت، تہذیب و تمدن اور روحانیت کا مرکز رہا ہے، اس مرکز علم و ادب میں بیشاۃ تشگان علم و دانش مرچشمہ علم و فن سے خوب سیراب ہوئے، چنانچہ یہیں سے ایک اسلامی تحریک وجود پذیر ہوئی جس نے دور جدید میں ممتاز علمائے کرام کی ایک جماعت تشكیل دی ہے جو علم حدیث اور اس کی تحقیق و تحریک میں مصروف عمل ہے، اس میں چند مشہور و معروف اسماء یہ ہیں: محمود شکری الوتی، امجد الزہاوی، دکتور اکرم ضیاء عمری وغیرہ، اور اس تحریک کے مؤسس محمد محمود صواف ہیں جن کی محنت و کاؤش نے اس تحریک میں روح حیات پھونک دی، اور علماء و طلباء اور محققین کے لیے ایسا فیضان جاری کر دیا جو ہنوز جاری ہے اور اس فیضان علم و فن سے خوب مستفیض ہو رہے ہیں، چنانچہ اسی تحریک سے وابستہ رہنے والے اور اس دور کے محققین میں نامیاں حیثیت رکھنے والے اور اپنی تحقیق و قابلیت کا لوہا منوانے والے محقق و محدث ڈاکٹر بشار عواد معروف ہیں، جن کی حیات و خدمات بالخصوص علم حدیث سے شغف رکھنے والوں کے لیے مناسب و مفید ہے۔

نام و نسب

بشار بن عواد بن معروف بن عبد الرزاق بن

محمد بن بکر العییدی بغدادی*

شعبان کے آغاز میں ۲۰ ستمبر ۱۹۴۳ء میں

اعظمیہ نامی قصبے میں ہوئی، آپ عراق کے سب

تلامذہ و مستفیدین
 آپ کے علمی تحقیقی نیوض و برکات سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے جو عراق، مصر، بلاد رہمیں، ہندوستان، پاکستان اور دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں، چند مشہور تلامذہ کے اسماء گرامی یہ ہیں:
 ۱- ڈاکٹر محمد اسماعیل مقدم، شیخ ڈاکٹر احمد معبد عبدالکریم، اور صلاح فتحی ہلش شامل ہیں۔
 ۲- ڈاکٹر ابواللہ، الشہید عزیز راشد الدائی۔
 ۳- ڈاکٹر ابوحسنا رائد یوسف العنبکی۔
 ۴- ڈاکٹر مصطفیٰ اسماعیل العبیدی، یہ ہمیشہ موصوف کے ہمراہ رہتے ہیں۔

۵- شیروان انگریز آپ کے قدیم شاگردوں میں سے ایک ہیں اور، بہت قابل تھے، موصوف اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی اسماء ہیں، خوف طوالت یہاں سب کا ذکر ممکن نہیں۔

عہدے و مناصب
 ۱۹۶۲ء میں موصوف نے عراقی حکومت کے تحت سول سروز میں داخلہ لیا، جہاں انہیں بغداد یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں مصنف کی حیثیت سے مقرر کیا تھا۔

پھر آپ بغداد یونیورسٹی میں انسٹی ٹیوٹ آف گرینج یویٹ اسلامک اسٹڈیز کی لائبریری میں کام کرنے کے لیے چلے گئے۔

آپ کو ۱۹۶۴ء میں مذکورہ لائبریری میں ایسوی ایٹ آبزرور کے عہدے پر منتقل کر دیا گیا تھا۔ آپ ۱۹۶۷ء میں بغداد یونیورسٹی میں فیکٹری آف شریعہ میں ریسرچ استنسٹ مقرر کیے گئے۔ اس کے بعد آپ اسی سال مذکورہ یونیورسٹی میں ریسرچ استنسٹ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد آپ کو امام اعظم یونیورسٹی آف اسلامک ریسرچ اور جامعہ مستنصریہ

نے اپنی ایک کتاب کے مقدمہ میں حوصلہ افزای کلمات لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ: ”جرح و تقدیل میں اکے اقوال کی ایک حیثیت ہے“۔ مزید لکھتے ہیں کہ: ”ان کی مذکورہ کتاب سے ہی ان کے علمی مقام سے میں واقف ہو سکا ہوں۔“

علمی اسفار، مشائخ
کبار اور تلامذہ
 موصوف نے آغاز شباب سے ہی حدیث کا مطالعہ شروع فرمایا تھا، بالخصوص تراجم، اسماء رجال اور علمل کا، موصوف نے اجازت حدیث اور اس کی سماعت کے لیے کئی اسفار کیے جو درج ذیل ہیں:
 ۱- مکہ کا سفر کیا اور شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ راشدی مکی سے حدیث کی سماعت اور اجازت حاصل کی۔
 ۲- ہندوستان کا سفر کیا، حدیث جلیل حبیب الرحمن بن محمد صابر عظیمی سے حدیث کی سماعت کی اور موصوف کو تمام اول سنبليہ کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۳- آپ نے محترم شیخ عبد الفتاح ابو عده رحمہ اللہ کے عہدے میں شیخ عبد الفتاح رحمہ اللہ نے موصوف کو میں شیخ عبد الفتاح رحمہ اللہ نے موصوف کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

شیخ محمد ملک کاندھلوی جو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھا ان سے سماحت حدیث کی۔ آپ نے (صوبہ سندھ میں) علام شیخ محمد عبد الرحیم بن عبد الرحیم پشتی سے سماحت حدیث کی جو شارح مقلوہ الہباضۃ المزاجۃ لمن طالع المرقاۃ فی شرح المشکاة کے مصنف ہیں، انہوں نے تمام مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اسی طرح شیخ مولوی محمد امین بن محمد عبد الرحیم الجفوری نے اپنی تمام مرویات کی اجازت عطا کی۔ شیخ محمد اور بدخشانی سے بھی سماحت حدیث کی۔ آپ کے دوست محقق حمدی عبد الجبار اشلفی نے بھی آپ کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

اسلامیہ میں ان سے تعلیم حاصل کی، چنانچہ علمی تحقیقی سرگرمیوں نے موصوف کی شخصیت میں گہرے نقوش چھوڑے، ۱۹۶۷ء میں آپ کی کتاب ”النکملة“ نے آپ کے علمی کارناموں اور سرگرمیوں کو مکمل طور پر ظاہر کر دیا اور ہر چند آپ کے علم کا معرفہ ہو گیا، اور آپ کو اس کتاب کے سبب فضیلت کا درجہ بھی ملا، اور عراق میں گرجویٹ علوم کی تاریخ میں یہ درجہ حاصل کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں، چنانچہ اسی اثناء میں آپ ۱۹۶۵ء میں یونیورسٹی میں عربی زبان کے استاد مقرر ہوئے اور جرمکن زبان سیکھنے کی وجہ سے نیمبرگ یونیورسٹی میں وظیفہ سے نوازا گیا۔

۱۹۶۷ء میں، آپ نے قاہرہ یونیورسٹی آف آرٹس کی فیکٹری میں اور نیشنل لینگوونج ڈپارٹمنٹ میں پی انج ڈی کی سند حاصل کی اور پروفیسر ڈاکٹر تھیجی الخشاب علیہ الرحمہ کی نگرانی میں ”الحضرارة الإسلامية فی ظل الدوّلة السامانية“ کے نام سے ایک مقالہ تیار کیا، لیکن اس رسالہ کو پایہ تینکیل تک نہ پہنچا سکے، کیونکہ موصوف اپنے والد کے انتقال کی وجہ سے قاہرہ چھوڑ کر گھر آگئے تھے اور ۱۹۶۸ء میں آپ کے والد کی وفات کی وجہ سے آپ پر خاندانی ذمہ داری کا بوجھ آن پڑا، لہذا آپ نے کاشکاری سے اپنے معاش کا آغاز کیا، ۱۹۶۷ء میں موصوف نے بغداد کی یونیورسٹی سے اپنے مقالہ ”الذهبی و منهجه فی کتابه تاریخ الإسلام“ سے پی انج ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہیں سے علمی تحقیقی کام کا آغاز کیا، حیرت کی بات یہ ہے کہ موصوف نے یہ مقالہ چارہ بھیوں میں لکھا: سبترتا دسمبر ۱۹۶۷ء میں جس کی وجہ سے علماء کرام نے ان کی اس علمی تحقیقی پیشگش پر ان کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی، موصوف کی اس کتاب پر شیخ عبد الفتاح ابو عده علیہ الرحمہ

جواب موصوف نے بڑے ہی فراخ دلی اور خاکساری کے ساتھ دیا، کہتے ہیں کہ جوانی میں پوری پوری رات مطالعہ و تحقیق و تحریج میں گزار دیتا تھا اور اب یہ حال ہے کہ بعد نماز فجر خودناشہ تیار کرتا ہوں جبکہ گھر میں تمام اہل خانہ موجود رہتے ہوئے اور پھر دن کے بارہ بجے تک مطالعہ میں مصروف عمل رہتا ہوں۔

تالیفات و تصنیفات

آپ کا مشغله خالص علم حدیث پر ہے اور آپ کو اسی سے زیادہ دلچسپی اور لگاؤ ہے لہذا آپ نے اسی فن پر کتب تصنیف کی آپ کی چند مشہور و معروف کتب یہ ہیں:

- ۱-أثر الحديث في نشأة التاريخ عند المسلمين.
- ۲-المذرى و كتابه التكميلة.
- ۳-تاریخ بغداد التراجمية .
- ۴-النهی ومنهجه في كتابه تاريخ الإسلام.
- ۵-ضبط النص والتعليق عليه .
- ۶- الإسلام و مفهوم القيادة العربية للأمة الإسلامية .
- ۷- على والخلفاء .
- ۸- البيان في حكم التغنى بالقرآن .
- ۹- المنتقى من حديث المصطفى .
- ۱۰- الحقوق في الإسلام .
- ۱۱- وقال ربكم ادعوني استجب لكم .
- ۱۲- في تحقيق النص .
- ۱۳- تحقيق النصوص بين أخطاء المؤلفين وإصلاح الرواة والنساخ والمحققين .

اور آپ کی دیگر تصنیف جس میں دوسرے محققین بھی شریک ہیں:

- المسند الجامع للأحاديث الكتب الستة
- و مؤلفات أصحابها الأخرى و موظاً مالك

کے ممبر منتخب ہوئے تھے۔ ۲۰۰۲ء میں دمشق میں لیکچر اے طور پر مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں محکمہ تاریخ فیکٹی آف آرٹس (۱۹۷۸ء-۱۹۷۹ء) میں آپ ایک استاد کی میں قاہرہ میں اسلامی امور برائے اسلامی کونسل کے لئے منتخب ہوئے۔ ۱۹۸۷ء میں موصوف کا انتخاب ریاست ہائے متحده امریکہ (کولمبیا میری لینڈ) میں ہائی اسلامک انسٹی ٹیوٹ برائے ہائی اسلامک ریسروچ بورڈ آف ٹریسٹی کے ممبر کے طور پر ہوا۔ ۱۹۸۹ء میں مکہ کی مساجد کی عالمی پریم کونسل کے لئے منتخب ہوئے۔

علمی اثرات

آپ اسلامی دنیا کی ایک فعال شخصیت ہیں چنان چہ وہ لوگ جنمیں نے تصنیفات و تالیفات میں حصہ لیا ہے، اور آپ سے زیادہ تحقیق و تحریج کی لیکن وہ سب نظم و ضبط کے توازن میں آپ سے کم ہیں، چنان چہ موصوف کا ہر کام منظم و مرتب انداز میں تحقیق و تحریج کی شکل میں موجود ہے، یوں تو ہر شخص منفرد اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنی الگ شناخت کے حوالے سے جانا جاتا ہے لیکن موصوف اپنی منبت و قابلیت اور لگن سے منفرد حیثیت عبری شخصیت سے مشہور ہوئے لیکن موصوف کی عبریت وہ ہے گیریت منفرد انداز کی ہے جو ان کے تمام کارناموں میں جدا گانہ انداز میں نظر آتی ہے، موصوف ہر دم کسی کیا بیکوئی نیا مسودہ کی تلاش و جستجو میں محور ہتے، ہر وقت تحقیق و تفتیش و تحریج کا جوں سوار ہتا جو آئے دن کسی نہ کسی نئی کتاب کی شکل میں نظر آتا ہے، موصوف کے اسی جنوب و لگن کی وجہ سے بعض لوگوں نے ان پر الزام عائد کیا اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا کہ موصوف کسی دوسرے لوگوں سے کام کرا کر اس کام کو اپنی طرف منسوب کر لیتے ہیں تو اس کا

(۱۹۶۹-۱۹۷۰ء) کی یونیورسٹی میں لیکچر اے طور پر مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں محکمہ تاریخ فیکٹی آف آرٹس (۱۹۷۸ء-۱۹۷۹ء) میں آپ ایک استاد کی میں ایک طور استاذ پروفیسر (۱۹۸۰ء-۱۹۸۱ء) مقرر ہوئے۔ پھر آپ نے (۱۹۸۱ء) میں (پروفیسر) کا درج حاصل کیا۔ آپ نے شعبہ تاریخ، فیکٹی آف آرٹس (۱۹۸۱ء-۱۹۸۰ء) کی سربراہی کی۔ پھر بغداد یونیورسٹی میں عرب علمی دریث کے احیاء کے مرکز میں علم و تحقیق شعبہ کے دائیٰ طور پر پروفیسر مقرر ہوئے، اس دوران آپ نے ماسٹرز اور ڈاکٹریٹ کے طلبہ کے مقالات کی کی نگرانی کی۔

تین سال (۱۹۸۹ء-۱۹۹۲ء) تک آپ نے (صدام یونیورسٹی برائے اسلامی علوم) کی صدارت کی، جہاں آپ نے نصاب اور پروگراموں کے قیام اور قرآن اور سنت پر بنی خلیفہ اسلامی بنیادوں کے مطابق اصول و قواعد مرتب کرنے کی سعی کی جو قرآن و سنت کے خالص نجح پر تھی اور اس دوران ہر طرح کی متصب جماعت سے دور ہے تاکہ ان کے اثر و رسوخ سے محفوظ رہا جاسکے، اس کے بعد آپ اردن کے شہر عمان گئے، اور وہاں ۱۹۹۲ء-۱۹۹۳ء میں الأہلیتی یونیورسٹی عمان میں حدیث و تفسیر کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ۲۰۰۲ء میں بلقاء التطبيقیہ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر ہوئے، پھر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں حدیث شریف کے پروفیسر ہوئے۔

علمی و تحقیقی

اکیڈمیوں میں دکنیت ۱۹۸۱ء سے عراقی علمی اکیڈمی میں آپ ماہرو فاضل کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، اور ۱۹۸۶ء میں بطور درکنگ ممبر منتخب ہوئے تھے۔ آپ ۱۹۸۸ء میں اردن کی عربی زبان اکیڈمی

۲۰-صلة التكملة لوفيات النقلة، لعز الدين الحسيني۔

آپ نے بے شمار علمی مقالات لکھے جو وقاراً فوتوگرافی میں شائع ہوتے رہے، جن کے نام درج ذیل ہیں: مجلہ اتحاد الحدیث، مجلہ کلیتی الدراسات کلیتی الاداب، جماعت بغداد، مجلہ کلیتی الدراسات الإسلامية بغداد، مجلہ کلیتی الشیعۃ بغداد، مجلہ المورد العراقي، مجلہ الأقلام بغداد، مجلہ التراث السوري بدشتن۔

موصوف کامسلک
یہ بات علم حدیث کے طالب علموں سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ جو محقق علم حدیث پر گھری بصیرت رکھتا ہے اسکے مسلک کا دار و مدار حدیث پر رہتا ہے جس کی وجہ سے کسی ایک مسلک کو اپنا شوار ہو جاتا ہے، یہی حالت موصوف کی ہے کہ آپ اپنا انتساب خلق مسلم کی طرف کرتے ہیں لیکن حقیقت میں آپ عمل بالحدیث کی طرف مائل ہیں، اور محمد شین کے اصول پر قائم ہیں، موصوف کے علمی کارناموں کے سلسلہ میں شیخ البانی، شیخ ابن باز، ابن شیمین، شیخ عبدالفتاح ابوغدة، آپ کے دوست شیخ شعیب ارناؤٹ، اور شیخ عبدالجید حمدی سلفی اور شیخ سعید نے خوب حوصلہ افزائی فرمائی اور حوصلہ افراء کلمات لکھے۔

موصوف بحیثیت لکچرواد
موسوف کے محاضرات کا انداز بڑا اہل علم و فکر کی ترجیحانی کے باوجود انہائی روایاں، سلیمان اور شفقتہ ہوتا ہے۔ موصوف، علم کے بحر بیکار اونچے کے ساتھ ساتھ متواضع شخصیت اور منکسر المزاج تھے، فکر میں توسع اور عمل میں چھٹکی آپ کی نمایاں خصوصیات میں سے ہے۔

☆☆☆☆☆

۵-تهذیب الكمال في أسماء الرجال، للحافظ المزى.

۶-سیر أعلام النبلاء، للحافظ الذهبي.

۷-معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار، للحافظ الذهبي.

۸-الموطأ للإمام مالك بن أنس برواية

أبي مصعب الزهرى.

۹-تفسير الطبرى من كتابه جامع البيان عن تأويل آى القرآن، تحقيق وتهذيب (بالمشاركة).

۱۰-وحيز الكلام فى الذيل على دول

الإسلام، للسحاوى (بالمشاركة).

۱۱-الموطأ، للإمام مالك بن أنس،

برواية يحيى بن يحيى الليثى.

۱۲-الجامع الكبير، للإمام أبي عيسى الترمذى.

۱۳-سنن ابن ماجه القزويني.

۱۴-كتاب الحوادث المؤلف من القرن الثامن الهجري وهو الكتاب

المسمى وهماً بالحوادث الجامعة والتجارب النافعة، والمنسوب لابن الفوطى (بالمشاركة).

۱۵-حياة الصحابة، للكاندللوى.

۱۶-تحفة الأشراف بمعارة الأطراف،

للإمام المزى.

۱۷-تاريخ مدينة السلام، للحافظ أبي بكر الخطيب البغدادى.

۱۸-تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير

والأعلام، للحافظ شمس الدين الذهبي.

۱۹-معجم شیوخ تاج الدين السیکی

(صفحة ۸۲۵) (بالمشاركة).

ومسانيد الحميدي وأحمد بن حنبل وعبد بن حميد وسنن الدارمي وصحیح ابن خزيمة.

ان اکتب کی تحقیق میں شیخ ابوالمعالی محمد انوری رحمۃ اللہ اور محمود محمد خلیل اور واحمد عبد الرزاق عید، وائیکن رابرائیم الزاملی بھی شریک ہیں، یہ عظیم انسائیکلوپیڈیا بارہ جلدیوں میں چھپی ہے۔

۱-تحریر تقریب التهذیب - للحافظ ابن حجر العسقلانی، اشیخ شعیب الأروسطی شراکت کے ساتھ۔

۲-موسوعة أقوال يحيى ابن معین في رجال الحديث وعلمه.

۳-حضارة العراق.

۴-حاضر العالم الإسلامي.

۵-رحلة في الفكر والتراجم.

۶-تاريخ العراق.

۷-الإسلام والمستقبل

تحقیق کردہ چند اہم کتابیں
موسوف تحقیق و تحریر کے سلسلہ میں یہ طویل رکھتے ہیں چنانچہ آپ کی تحقیقات کو علماء و طلباء کے مابین ایک امتیازی حیثیت بھی حاصل ہے لوگ آپ کی تحقیقات کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپ کی تحقیقات سے شائع شدہ کتب میں سے چند اہم درج ذیل ہیں:

۱-كتاب الوفيات لأبى مسعود الحاجى، آپ کے پیغمبر احمد ناجی القىسى کی شرکت کے ساتھ شائع ہوئی۔

۲-أهل الملة فصاعداً للحافظ الذهبي.

۳-ذيل تاريخ مدينة السلام ببغداد، لابن الدبيسي.

۴-مشیخة النعال البغدادی، آپ کے پیغمبر احمد ناجی شراکت داری کے ساتھ۔

فقہ وفتاویٰ

سوال و جواب



مفتی محمد ظفر عالم ندوی

جواب: دکان اور سامان کی نصف قیمت اگر دوسرے بھائی کو دیدی جائے، اور وہ لینے پر راضی ہوں تو شرعاً یہ درست ہے۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج/۲ ص/۲۶۸]

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے دوڑکے اور ایک لڑکی اور دوسری سے صرف ایک لڑکا ہے، اب بتائیں کہ جائیداد کی تقسیم کس طرح ہو گئی؟ دوسری بیوی سے جو لڑکا ہے ان کا کہنا ہے کہ آدھا حصہ میرا ہو گا اور آدھے میں آپ دونوں بھائی اور بہن حصہ دار ہوں گے، صحیح کیا ہے، رہنمائی کریں؟

جواب: اس صورت میں کل جائیداد کے سات حصے ہوں گے، دو دو حصے تینوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک حصہ لڑکی کو ملے گا، اور سوتیلے بھائی کا نصف جائیداد کا مطالبہ غلط ہے۔ [سورہ تساعہ: ۱۱]

سوال: ایک شخص کی الہیہ نے کچھ پلاس اور پالیسیاں لی تھیں اور اپنے لڑکے اور لڑکی کے نام رجسٹری کرادی تھی، اب اس عورت کا انتقال ہو گیا ہے، سوال یہ ہے کہ کیا یہ زمینیں اور پالیسیاں صرف انہی لڑکوں اور لڑکیوں کی ہوں گی یا ان کے علاوہ دیگر ورثاء مثلًا مرحومہ کے شوہر اور بھائی وغیرہ بھی حصہ پائیں گے؟

جواب: مرحومہ اگر ان لڑکوں اور لڑکیوں کے نام زمینیں کی رجسٹری مالک بنانے کے لیے کی تھی تو اس کی حیثیت ہبہ کی ہے، اور یہ لوگ ان زمینیں اور پالیسیوں کے مالک ہیں، دیگر ورثاء کا ان میں حق نہیں ہو گا، اور اگر کسی قانونی ضرورت کے تحت رجسٹری کرائی تھی تو یہ مال متروکہ میں شامل ہوں گی اور تمام ورثاء مرحومہ کے شوہر سمیت سب حقدار ہوں گے۔

[صحیح البخاری: ج/۲ ص/۲۷۲]

جواب: اولاد کے شریر ہونے کی وجہ سے والدین کو یہ خدشہ ہو کہ یہ جائیداد خدا کی نافرمانی میں اولاد صرف کردے گی تو اسے یہ حق حاصل ہو گا جائیداد کو مصارف خیر میں دیدے۔ [حوالہ سابق]

سوال: ایک شخص نے اپنی بیماری کی حالت میں اپنی جائیداد اور مکان سے متعلق ایک اقرار نامہ لکھوا کر عدالت میں رجسٹری کروادیا ہے، مقدمہ یہ ہے کہ لڑکیوں کو اس سے بے دخل کر دیا جائے، کیا ان جائیدادوں اور مکان سے لڑکیاں محروم ہو جائیں گی؟

جواب: مرض الموت میں لکھایا ہوا اقرار نامہ یا ہبہ نامہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اور وصیت وارث کے حق میں نافذ نہیں ہوتی ہے جب تک کہ دوسرے ورثاء اجازت نہ دیں، لہذا دیگر ورثہ کی رمضانندی کے بغیر یہ اقرار نامہ یا ہبہ نامہ شرعاً ناقابل عمل ہے اور اس میں شرعی طور پر میراث جاری ہو گی اور لڑکیوں کا بھی اس میں حق ہو گا۔

[الدرالختار مع رداختار: ج/۸ ص/۳۹۳]

سوال: ایک صاحب کا انتقال ہوا، ان کے دوڑکے ہیں، ترکہ میں ایک دکان ہے، ایک بھائی سرکاری ملازم ہیں اور ایک دکان چلا رہے اور دکان انہی کے قبضہ میں ہے، دکان چھوٹی ہونے کی وجہ سے تقسیم میں دشواری ہے، اگر دوسرے بھائی کو دکان اور سامان کی نصف قیمت دے دی جائے اور وہ لے لیں تو کیا یہ درست ہے، اصل دکان تقسیم نہ ہونے کی وجہ سے عند اللہ کوئی پکڑ تو نہ ہوگی؟

سوال: ایک شخص کی بیوی نے شوہر کے انتقال کے وقت مہر معاف کر دیا لیکن اب وہ کسی وجہ سے مال متروکہ میں سے مہر کا مطالبہ کر رہی ہے، معاف کیا ہوا مہر مال متروکہ میں سے دیا جاسکتا ہے؟

جواب: دین مہر معاف کرنے سے معاف ہو گیا، اب اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے، اور مال متروکہ میں سے معاف شدہ مہر نہیں دیا جاسکتا ہے۔

[الدرالختار مع رداختار: ج/۸ ص/۳۹۸]

سوال: اگر کسی کی اولاد نافرمان ہو اور والدین کے ساتھ ناروا سلوک کر رہی ہو تو کیا والدین اپنی وراثت سے محروم کر سکتے ہیں؟ محروم کرنے کی وجہ سے والدین گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

جواب: وراثت ایک ایسی ملک ہے جو غیر اختیاری ہے، والدین کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے بعد ورثہ میں سے کسی کو وراثت سے محروم کر دے، شریعت نے جو حصہ جس وراثت کے لیے متعین کر دیا ہے وہ اسے ضرور ملے گا خواہ مورث راضی ہو یا ناراض، البتہ اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور حالت صحت میں اپنی ملک میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج/۲ ص/۳۹۱]

سوال: اگر اولاد شریعہ ہو، اور باپ کو یہ خیال ہو کہ میرے بعد تمام جائیداد خدا کی نافرمانی میں صرف کر دے گی، اس لیے وہ کا رخیر میں ان جائیدادوں کو صرف کر دے تو کیا ایسا کرنا درست ہو گا؟

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U.P. (INDIA)



ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یونی (ہند)

بسم اللہ تعالیٰ

Date 25th February 2023

تاریخ ۲۵ فروری ۲۰۲۳ء

اپیل برلے تعمیر اسٹاف کوارٹر کا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی و تعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ و کارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ و اسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطہ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹر اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، بگراب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹر کی کمی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی، اس صورت حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹر تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمد للہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہو گیا۔ اب کیمپس کے اندر رہی مزید کوارٹر کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسے پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہو گی، جس میں ۹ فلیٹی کوارٹر ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ/- 1,15,00,000 (ایک کروڑ پندرہ لاکھ روپے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیز حضرات کے تعاون سے پورا ہو گا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہاں کام تکمیل کو پہنچ گا، و ما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولاناڈاکٹر) تقي الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلام صدیقی
(مولانا) سید بلال عبدالحی حسنی ندوی	معتمد علیم ندوۃ العلماء
مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء
ناظر عالم ندوۃ العلماء	

نون: چیک/ڈرافٹ پر صرف لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر اسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA

Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیات کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہو گی۔

فجز اکم اللہ خیرالجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK

<https://www.nadwa.in/donation/>